آسیہ رزاقی

تیز چمک دار دھوپ، ہر منظر چکا چوند، سڑکیں تپی ہوئی۔ آسمان سے شاید آگ برس رہی تھی۔ وہ کانوں پر جس چیز کو ہاتھ لگایا وہ گرم۔

"دم سے تو بخار ہے بلکہ سرسام ہو گا۔" پروا نے بلوریں صراحی کو ہاتھ میں لے کر فوراً گلاس منہ پر رکھ دیا۔

بھابھی نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

بھابھی اور صدف کی مشترکہ دوست ایلا کی شادی تھی اور اس کے لیے تحائف لینا تھے۔ بھابھی تو بہت نازک مزاج تھیں۔ دوپہر کا وقت ان کے آرام کا تھا مگر صدف آگئی تھی۔ اسے گرمی کا احساس اتنا تھا جیسا کہ بھابھی کو۔ صدف نے ان کا عذر سن کر کہا۔

"گرمی میں گرمی ہی ہو گی۔ سردی تو ہو نہیں سکتی۔ شادی بھی گرمی میں ہے۔ تو کیا دنیا کے سارے کام رک جائیں؟ چلو اٹھو کاہل کہیں کی۔"

بھابھی صدف سے اختلاف نہیں کر سکیں۔ وہ نئی نئی دوست بنی تھی۔ بھابھی کی نئی نویلی دوستی خاصی ہنگامہ پرور ہوتی تھی۔ شروع میں تو خوب دعوتیں، آنا جانا، بلانا، لگاوٹ، خاطریں، پھر رفتہ رفتہ دوستی کا ابال تہہ میں چلا جاتا، ختم ہو جاتا، مجبوری، مصلحتیں اور بہانے بنا کر وہ کسی نئے شکار کو ہانک لیتیں۔ ان کی دوستی کا معیار خاصا بلند تھا۔ کوئی ایڈوانس، دولت مند یا آزاد منش جاب کرنے والی لڑکی۔ جو ان کی سالگرہ پر قیمتی تحفے دے سکے۔ انہیں اپنی کار میں یہاں وہاں لے جایا کرے۔ ہوٹلنگ کی سکت رکھتی ہو۔ اس سب کے علاوہ ان کی شادی شدہ زندگی پر اظہار تاسف بھی کر سکے جو ماں باپ کے غلط فیصلوں کے باعث لازماً ہمیشہ متوسط طبقے کے نوجوان سے بیاہ دی گئی تھیں۔





مکمل ناول

بھابھی کی اپنے میکے کے بارے میں مبالغہ آمیزی کی اڑان بھی کافی بلند تھی۔ کبھی کوئی پوچھ بھی لیتا کہ آخر اتنے بڑے گھرانے کی بیٹی کی اتنے چھوٹے گھر میں شادی کی کیا وجہ تھی؟ تو بھابھی اس سے ناراض ہو جاتیں۔ انہیں اپنی کہنے کی عادت تھی۔ سننے کا حوصلہ نہ تھا۔ بے حد تنگ مزاج بلکہ بد مزاج تھیں۔ اسی لیے عمران سے دب کر رہ گئے تھے۔

اور پروا۔ سوچ رہی تھی کہ خوامخواہ بھابھی کی پیشکش پر خوش ہو کر ان کے ہمراہ بازار آگئی۔ اس تپش اور گرمی کی جھلسن میں لو کے تھپیڑے کھا کھا کر اسے خود بخار سا ہونے لگا تھا۔ مزے سے تنہائی میں اپنے کمرے میں لیٹی ناول پڑھتی۔ اس کے کمرے کی پناہ بھی کسی دولت سے کم نہ تھی۔ نعمت تھی لیکن اب تو وہ آہی گئی تھی۔ بھابھی کی مہربانی کہ وہ اسے اپنے ساتھ لانے میں شرم محسوس نہیں کر رہی تھیں، ورنہ جب عمر بھائی کے ساتھ بھابھی کے ہمراہ آتی تو انہیں بار بار اس کی وجہ سے ہتک کا احساس ہوتا۔ وہ مسلسل بڑبڑاتی رہتی تھیں۔

خیر، ناگواری تو انہیں آج بھی ہو رہی تھی۔ شاید وہ پچھتا رہی تھیں۔ صدف کی وجہ سے خاموش تھیں۔ یا پھر دکانوں میں سجی خوبصورت جھلملاتی اشیاء نے ان کا منہ بند کر دیا تھا۔ البتہ وہ پسندیدگی کا اظہار ضرور کرتی تھیں۔

"ہائے کتنا دل چاہتا ہے کہ ایسے ڈیکوریشن پیس میرے پاس بھی ہوں۔ او ہو کتنا پیارا ڈیزائن ہے۔ امی کے پاس تو بہت قیمتی بے شمار چیزیں ہیں۔ پاپا فارن سے لاتے ہیں۔ ایسے ایسے نمونے کہ کیا بتاؤں۔"

بات ٹالنے میں استاد ہو۔ پھر کیا کہوں؟"

"میں سمجھی نہیں۔ کیا کہوں سے کیا مراد ہے۔"

اس نے پیر اٹھا کر پلنگ پر رکھ لیے۔

"میرا خیال ہے کہ بھائی جان کوئی بڑی بری سی بات تو نہیں کہہ سکتے۔ دل آزاری والی بات وہ نہیں کرتے بس ذرا کھرے آدمی ہیں۔"

"پتا نہیں کیا کہہ رہے ہو۔ بھئی جاؤ میں سو رہی ہوں۔" منہ پر دوپٹا ڈال کر وہ لیٹ ہی گئی۔

صبح سویرے کالج جانے کے لیے برآمدے سے اتری تو کار اسٹارٹ تھی۔ جنیب نے ہاتھ بڑھا کر با آسانی اسے پکڑ لیا۔

"آیئے۔ تشریف لایئے۔ غلام حاضر ہے۔" پروا نے ہاتھ جھٹکا۔

"میں کالج کا راستہ جانتا ہوں اور ہوں بھی شریف۔ پردیس جانے کا یہ مطلب تو نہیں کہ بندہ اپنی گلی یا اپنے شہر کے راستے بھلا دے۔ جناب ہم آپ کو بحفاظت پہنچا دیں گے۔"

وہ ہاتھ چھوڑنے پر تیار نہ تھا۔ پروا کے حلق میں کانٹے سے پڑ رہے تھے۔ آخر کار کوئی اور چارہ نہ دیکھ کر وہ سر جھکا کر سیٹ پر دبک گئی۔ وہ اسے مڑ مڑ کر دیکھتا رہا اور بڑبڑاتا رہا۔

"کمال ہے۔ پتا ہی نہ تھا اور کسی نے بتایا بھی نہیں اور یہ ایسی بات نہ تھی کہ سمجھ میں نہ آئے۔ پھر میں کیوں نہ سمجھا۔ غلطی تو مجھ سے ہوئی۔ سزا تمہیں کیوں؟ مجھے ملنی چاہیے نا۔ ہیں نا؟"

وہ سر جھکائے ناخن دانتوں سے کترتی رہی۔

"یہ کالج اتنے قریب کیوں ہے۔ کتنا چھوٹا راستہ ہے اسے کچھ فاصلے پر ہونا چاہیے۔ یہ کیا کہ سوال ختم ہوں۔ جواب سے پہلے کالج آ جائے۔"

وہ بڑے شیریں لہجے میں بول رہا تھا۔ (تلافی) کار رکتے ہی وہ چھلانگ لگا کر اتری اور بھاگ کر گیٹ میں گھس گئی۔ جیسے کوئی بلا اس کا پیچھا کر رہی ہو۔ کتنی دیر تو سانس درست کرنے میں لگی۔ واپسی [illegible] آتے ہوئے بھی خوف سا سوار رہا۔ [illegible] کچھ

ندامت۔ صورت حال مزید الجھ رہی تھی۔ وہ چپکے سے کمرے میں جا کر لیٹ گئی۔ سہ پہر کو بھابھی نے آ کر جگایا۔ ناظمہ کے کمرے میں سب جمع تھے۔ سوائے جنیب کے۔ وہ چپکے سے جا کر بیٹھ گئی۔ چائے ہو رہی تھی مگر سب خاموش تھے۔ جیسے کوئی حادثہ ہوا ہو۔ یا کوئی خبر۔

"بھائی جان واپس جا رہے ہیں۔" ناظمہ پیٹ کی ہلکی تھی۔ زیادہ دیر کوئی راز نہیں رکھ سکتی تھی۔

پیالی پروا کے ہونٹوں سے لگی۔ گرم چائے چھلک گئی۔ ہونٹ جل گئے۔ وہ بغور چائے کو دیکھنے لگی۔ بھاپ اڑاتی چائے۔ سینہ بھی جلا سکتی ہے۔ پھر کیوں پیتے ہیں۔

"وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے دل آزاری کا گناہ کیا ہے اور سزا بھی انہیں ہی ملنی چاہیے تھی۔ نہ کہ۔ اور کہتے ہیں کہ رہ گئے تو پتا نہیں اور کتنوں کے دل دکھیں گے ان کی باتوں سے۔ اماں خوشامد کر کر کے تھک گئی ہیں کہ بھیا شادی کے بعد چلے جانا۔"

ناظمہ سرگوشی کر رہی تھی۔ اس کے کانوں میں مکھیاں سی بھنبھنا رہی تھیں۔

"اور انہیں بہت دکھ ہے کہ تم نے ان سے بات تک نہ کی۔ انہیں اپنی توہین کا احساس ہے۔ اور کہتے ہیں کہ وہ خود کو معاف نہیں کریں گے۔ تم نے ان سے بات کیوں نہ کی؟ بڑا صدمہ ہے انہیں۔ دو مہینے کے لیے آئے تھے اب۔ اللہ جی۔ اتنا افسوس ہے سب کو۔ کسی کی مانتے بھی نہیں۔"

بوکھلا گئی پروا۔ خاصی دشمنی دکھا رہا تھا یہ شخص۔ اس کا کوئی قصور نہ تھا مگر سب کی نظریں اسی پر ٹکی ہوئی تھیں۔ جنید یوں منہ بنا رہا تھا جیسے کڑوی گولی چبالی ہو۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ ہنستی۔ مگر یہاں تو سب ہی کڑوی گولی چبائے بیٹھے تھے۔

"اماں رو رو کر بے حال۔ رنگ میں بھنگ ہو گیا۔ اپنے کمرے میں سر باندھے پڑی ہیں۔ سارا کام یونہی پڑا ہے۔ ابا الگ اداس۔" ناظمہ بسور رہی تھی۔

"شادی تک تو رک جاتے۔ مجھے کتنی خوشی تھی کہ

بھائی جان آ گئے ہیں۔ پیکنگ کرنے لگے ہیں۔"

صحن سے گزر کر جب وہ اس کے کمرے کی طرف بڑھی تو اسٹور میں پھوپھو کھڑی چاول تلوا رہی تھیں۔ پچھوا کے ہاتھ میں ترازو تھی اور وہ کھی کھی کھی ہنسے جا رہی تھی۔ پھوپھو بھی ہنسی روک رہی تھیں۔ پھوپھا جان مزدوروں سے فرش درست کرا رہے تھے۔ کچھ سوچنے کی مہلت نہ تھی۔ کمرے کا دروازہ پکڑے وہ کچھ حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ ابھی اندر جانے کا فیصلہ نہ کر پائی تھی کہ دروازہ دھڑاک سے کھل گیا۔ وہ سامنے لیٹے جنیب کو دیکھتی رہی جس کے کان میں ایئر فون لگا ہوا تھا۔ اور ریڈیو سے موسیقی کی لہریں براہ راست اس کی سماعت کو غذا پہنچا رہی تھیں۔ اس کا سوٹ کیس بھی یونہی کھلا پڑا تھا۔ خالی الماری بند تھی۔ کمرے میں پیکنگ کے آثار نہ تھے۔ پھوپھو کے ہاں کے سب دروازے بھی اس قدر آواز پیدا کرتے تھے توبہ۔ کیا تھا اگر وہ بے آواز ہوتے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر چپ چاپ لوٹ جاتی۔ ناظمہ نے کس قدر غلط بیانی کی تھی۔ سب لوگ جو کڑوی گولیاں چبائے بیٹھے تھے ان کی اداکاری۔ مگر پھر اس کا تماشا کیسے بنتا۔

"آیئے۔ مجھے منانے آئی ہیں آپ؟" ہنس رہا تھا۔ بے شرم۔

"جی نہیں۔ آپ کی پیکنگ کا راز جاننے آئی ہوں۔"

"ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا۔" وہ لہک کر بولا۔ وہ بھنا گئی۔ "امریکہ میں اردو پڑھاتے ہوں گے۔"

"میں بالکل پشیمان نہیں۔ بس ناظمہ کا خیال تھا۔ وہ آزردہ ہے۔"

"اوہ۔ خیر۔ خیر۔ کسی وجہ سے کسی کے خیال سے سہی۔ آپ آئیں تو سہی۔ معذرت کے لیے یا مجھے معاف کرنے۔"

"معاف کرنے۔"

وہ مزید کچھ کہتی مگر سب کے سب اندر گھس آئے۔ جنید، عبید، نائلہ، اسما، ناظمہ، جنید، عبید اس کے

گرد ڈانس کرنے لگے۔ "راضی راضی راضی۔ دولہا دلہن راضی۔ پھر کیا کرے گا قاضی۔"

"لو۔ ہمیں خبر ہی نہیں اور یہاں ایجاب و قبول بھی ہو گئے۔"

نائلہ دوڑتی ہوئی آئی تھی۔ اس لیے ہانپ رہی تھی۔ پروا انہیں حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ جو سب ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے اور جنیب سے تو جنید کی کشتی ہو رہی تھی۔ وہ چپکے سے نکل آئی۔ وہ سب اپنے بھائی کی گت بنانے میں مصروف تھے۔

ناظمہ کی شادی میں عمر بھائی اکیلے آئے۔ بھابھی کی طبیعت ناساز تھی۔ اس لیے نہیں آئیں۔

☼ ☼ ☼

ایک دن وہ کالج سے آئی تو پھوپھو بڑے جلال میں تھیں۔ کسی پر خفا ہو رہی تھیں۔ کوئی کوئی لفظ یا فقرہ اس کے کانوں سے ٹکرایا۔ تو علم ہوا کہ عمر پر خفا ہو رہی ہیں۔

"سارا خط بسمہ کے خیالات سے پر ہے۔ ارے اس گاؤدی نے یہ نہ سوچا کہ خط میں لکھ رہا ہوں کہ بسمہ۔ اور یہ بھی نہ یاد آیا کہ جب میں پروا کو لا رہی تھی تو اس سے کہہ کر آئی تھی۔ یہ میری چیز ہے۔ میرے جنیب کی امانت۔ وہ تو سب کچھ بھول گیا۔ ناظمہ کی شادی میں آیا تھا تب ہی میں نے معاملہ پختہ کر دیا تھا۔ کہا تھا کہ 'بیٹا۔ اب یہ نہ بھول جانا۔ اب یہ میری ہو گئی۔ ناظمہ کی شادی کے بعد۔ ذرا اس کے امتحان ہو لیں تو میں اعلان بھی کر دوں گی۔ حد ہو گئی۔"

تنویر بھابھی نے اسے بتایا کہ عمر نے پروا کو بلانے کا لکھا ہے۔ اس کے کئی بہت اچھے رشتے آئے ہیں۔ بسمہ کا خیال ہے کہ امتحان تو پرائیویٹ بھی دے دے گی۔ مگر رشتے نہیں آئیں گے۔ یوں بھی اس کی عمر نکلی جا رہی ہے۔ وغیرہ۔"

پروا سنسنا کر رہ گئی۔ بھابھی جو کہتی ہیں۔ کر کے رہتی ہیں۔ وہ اسے چین نہیں لینے دیں گی۔ اب اسے ہر وقت تیار رہنا پڑے گا۔ کب ان کے حکم کی تعمیل

میں اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر جانا پڑ جائے۔ اسے اداس اور پریشان دیکھ کر بھابھی اس کی دل جوئی کرتیں کہ وہ خوفزدہ نہ ہو۔

پھر ایک دن پھوپھو جنیب کو لے کر لاہور چلی گئیں۔ جب تک آ نا گئیں۔ وہ ہولتی رہی۔ دعائیں مانگتی رہی۔ آخر اس دن وہ آ ہی گئیں۔

"خوب خبر لے کر آئی ہوں۔ بسمہ کے سامنے سب کچھ کہہ آئی۔"

"آپ نے حسب دستور لتے لیے ہوں گے۔ یا لتے دیے ہوں گے عمر بھائی کو۔" عبید حسب معمول گڑبڑا گیا۔

"میں نے اسے صرف دھمکیاں دی ہیں۔ اور جتا دیا ہے کہ اب آئندہ وہ نہ بھول سکے گا۔" پھوپھو خوش تھیں۔

جنیب بھی خوش نظر آ رہا تھا۔ عبید نے پوچھا۔

"یہ جناب کی بتیسی کیوں باہر نکلی ہوئی ہے۔ اس؟؟" وہ مڑ کر بھابھی سے رجوع ہوا۔ "بھابھی بتیسی کہ چھتیسی۔ اس موقع کے لیے کیا مناسب ہے بھلا؟"

"تمہارا سر۔" بھابھی ہنس دیں۔ "فقرے کا بیڑا غرق کر دیتے ہو تم۔"

"اچھا۔ بیڑا غرق ہوتا ہے؟ میں نے تو اس دن کہا تھا۔ بیڑا پار ہو گیا۔ لو یہ ہوا۔"

"جس موقعے پر تم نے یہ جملہ بولا تھا۔ وہ بیڑا پار ہونا ہی درست تھا۔"

عمر بھائی اور بھابھی آئے اور ایک چھوٹی سی تقریب میں پھوپھو نے اسے جنیب کے نام کی انگوٹھی پہنا دی۔ عبید نے اسے حادثاتی منگنی کا نام دیا۔

"عمر بھائی [illegible] اور اچھے رشتوں پر اصرار کرتے [illegible] اتنی جلدی یہ منگنی کر دی تم [illegible]"

ابھی جنیب کو تعلیم مکمل کرنے میں دو سال درکار تھے پھوپھو منگنی کے خلاف تھیں۔ ان کے خیال میں تو زبانی معاہدہ کافی تھا۔ مگر عمر جب اپنے باپ کے سامنے کیا ہوا وعدہ بھول کر ناظمہ کے بجائے بسمہ کو بیاہ لایا۔ تو پروا کو بھی جنیب یا [illegible] کے ساتھ روانہ کر سکتا تھا۔

بسمہ بھابھی تو پروا کے ٹھاٹ باٹ دیکھ کر دنگ تھیں۔ یہاں آ کر اس کا رنگ روپ بھی نکھر گیا تھا۔ اسے ہر خوشی میسر تھی۔ اس کی قدر تھی یہاں عزت تھی۔ تنویر بھابھی کی چاہت دیکھ کر تو بسمہ کے پتنگے لگ گئے تھے۔ اندر ہی اندر کھول رہی تھیں وہ اور پروا جو اپنی بھابھی کی مزاج شناس تھی۔ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ بھابھی حسد اور جلن میں مبتلا ہیں۔ اسے ڈر تھا کہ بھابھی اسے پھوپھو کے گھر سے لے جانے کی ہر تدبیر کریں گی۔ وہ اسے خوش دیکھ کر سخت ناخوش تھیں لیکن اسے پھوپھو کا آسرا تھا۔ جنیب تو پردیسی پنچھی اس کا کیا بھروسا۔ بس ایک انگوٹھی تھی جو اسے معتبر کر چکی تھی۔ اور بھابھی اسی کی وجہ سے تلملا رہی تھیں۔ جنیب جیسا وجیہہ اور خوش مزاج اعلا تعلیم یافتہ پروا کا نصیب بنے یہ انہیں کب گوارا تھا۔

پھوپھو تو چاہتی تھیں۔ نکاح بھی ہو جائے۔ مگر عمر اس کے لیے تیار نہ ہوئے۔ آخر بہن تھی ان کی۔

"تم اس قدر کٹھور دل کی مالک ہو۔ یہ سنگ دلی راس نہ آئے گی تمہیں۔ پچھتاؤ گی۔"

جنید اس کے سر کھڑا کب سے بک بک کیے جا رہا تھا۔ وہ چپ چاپ بستر کی چادر جھاڑے گئی۔

"اتنی دور جا رہے ہیں بے چارے۔" (تو کیا میں بھیج رہی ہوں، نہ جائیں۔)

"ایک ذرا سی فرمائش بھی پوری نہیں کرو گی تو زندگی کیسے گزرے گی۔ ارے وہاں جا کر بھول بھال گئے کیسے یاد رکھیں گے یہ چہرہ مبارک۔ جب کوئی تصویر ہی نہ ہو گی۔"

"ناظمہ کی شادی میں۔ اتنی تصویریں تو اتاری تھیں تم نے۔"

"وہ سب پرانی ہو گئیں اور کوئی اکیلی تمہاری ہے بھی نہیں۔ کسی میں کسی کا سر ہے، کسی میں کسی کا تھوبڑا۔"

"اوفوہ۔ ذرا سا سامان نہیں رکھ سکتیں تم۔" عبید بھی شامل ہو گیا۔

"کون سا سامان؟" وہ چڑ کر بولی۔

"سامان نہیں۔ مان۔ تین حرفی مان۔ چلو ان کے ساتھ ایک عدد فوٹو۔"

"مانو گے نہیں۔" وہ کھسیا کر اٹھ گئی۔ جنید بھی ضد کا پکا تھا۔ جنیب کو بھی پکڑ لایا۔ صاف ظاہر تھا اسے بھی مجبور کر کے لایا گیا ہے "نشانی" کے لیے۔ پروا کے پاس رہے جو۔ پروا خوب خفا ہوئی مگر فوٹو تو اتار لیا گیا۔

جنیب کے جانے میں چند دن تھے، جب عمر کا خط آیا۔ بسمہ کی بیماری کا بیان۔ پروا کو بلانے پر اصرار۔ پھپھو نے لکھ دیا۔

"بسمہ کی بہن بھی وہیں ہے اور ماں، بھاوج، بھائی سب ہیں۔ کسی کو بلا لو۔ پروا کو امتحان کی تیاری کرنے دو۔"

پروا ڈر گئی۔ اس سے کھانا بھی نہیں کھایا گیا۔ بھابھی کی کوئی فرمائش رد کر دی جائے تو وہ آگ بگولا ہو کر کچھ بھی کر سکتی ہیں۔

"لو۔ پروا کا تو رنگ ہی زرد ہو گیا۔" تنویر بھابھی نے کہا۔ "اس قدر ڈرتی ہو تم۔ وہ بھابھی ہے تمہاری، یا جلاد ہے۔ اب تم پر ان کا اختیار نہیں رہا پروا۔ کیوں ڈرتی ہو۔"

تنویر بھابھی سیدھی سادی، محبت کرنے والی۔ وہ بسمہ کے زہر سے واقف بھی کیسے ہوتیں۔

جنیب اسے کالج لے جاتا تھا۔ اس دن ادھر ادھر گلیوں میں گھما کر وقت ضائع کرتا رہا۔

"کیا کریں گی وہ؟ اب کچھ نہیں کر سکتیں۔ امی جان سے تو ٹکر نہیں لے سکتیں نا۔"

"وہ کسی سے ڈرتی نہیں ہیں۔"

"اور تم سب سے ڈرتی ہو۔ اسی طرح ہمت بڑھائی ہے تم نے ان کی۔ بھئی زندہ رہنے کے لیے حوصلہ بلند رکھنا چاہیے۔ معلوم نہیں کب کوئی حادثہ ہو جائے اور یہ تمہاری بھابھی کسی حادثے سے کم نہیں۔ مگر میں بھی اتنا کمزور نہیں۔ امی نے تمہیں اس حادثے سے بچانے کے لیے ہی تو میرا انتخاب کیا ہے۔"

"مگر آپ۔ آپ تو بہت دور چلے جائیں گے۔ یہاں تو نہ ہوں گے، یہاں تو بھابھی ہوں گی اور میں۔"

"اور تم اب میری ہو۔ کیا بھابھی تمہیں..."

"گاڑی چلائیں دھیان سے۔ سامنے دیکھیں نا۔ ڈر لگ رہا ہے مجھے۔"

"اوفوہ۔ کیا میں تمہیں کوئی نقصان پہنچنے دوں گا؟"

"مجھے آپ کے دل کے اندر کا حال معلوم نہیں۔" وہ شرارت سے بولی۔

"پھر سے کہنا۔" وہ خفا ہو کر بولا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ پتا نہیں یہاں کیا ہو جائے۔ آپ۔ آپ تک خبر پہنچنے تک تو میں۔"

وہ رنجیدہ ہو گئی، ہونٹ کاٹنے لگی۔

"سنو، جب بھی تمہیں کوئی تکلیف ہو گی، مجھے ضرور علم ہو جائے۔ جب بھی کسی پریشانی میں پڑو۔ مجھے پکارنا۔ میں کسی نہ کسی طرح پہنچوں گا۔"

"ہاہ۔" وہ لاپروائی اور رنج کے ملے جلے لہجے میں بولی۔

"کون آتا ہے اتنی دور سے؟ وہ بھی میرے لیے؟ میں اتنی بھی اہم نہیں ہوں، اپنی حیثیت جانتی ہوں۔" اس کی آواز بھاری ہو گئی۔

"آزما کر دیکھنا۔ وہ مرد ہی کیا جو اپنے وعدے پورے نہ کرے۔" وہ یقین بھرے لہجے میں بولا۔ "اور ہاں۔ میں عشق محبت کا دعوا تو نہیں کرتا کیونکہ میں ایک عملی آدمی ہوں اور یہ تو امریکہ جا کر ہی بتا سکوں گا کہ تمہاری کیا اہمیت ہے لیکن پروا! میرے خلوص پر بھروسا کر سکتی ہو۔ میں نے عہد کیا ہے کہ تمہیں دکھوں، محرومیوں، تکلیفوں سے ضرور بچاؤں گا۔"

پروا دھک سے رہ گئی۔ سامنے بڑا سا پتھر بیچ سڑک پر پڑا تھا، باتوں کی رو میں جنیب نے دیکھا ہی نہیں۔ گاڑی پتھر سے ٹکرا کر اچھلی۔ پروا جھٹکا کھا کر ڈیش بورڈ سے ٹکرائی۔

"ہے۔ یہ کیسا وعدہ ہے؟" وہ چلائی اور سر سہلانے لگی۔

"سوری۔ سوری۔" وہ بھی زور سے بولا اور کار روک کر اس کے زخم ٹٹولنے لگا۔

"کچھ نہیں ہوا ہے۔" وہ چڑ گئی۔ (زندگی سوری سوری کے سہارے گزرتی اچھی نہیں لگے گی۔)

✻ ✻ ✻

امتحانات سے فارغ ہو کر ہر بوجھ اتر سا گیا۔ ناظمہ سسرال سے آ گئی۔ جنیب اور زوہیب کے جانے کے بعد گھر میں کچھ سکون اور ٹھہراؤ سا آ گیا تھا۔ پھر اسماء کے ساتھ پھوپھو حج کی سعادت کے لیے روانہ ہو گئیں۔ وہ اور بھابھی سلائی میں مصروف ہو گئیں۔ جنید، عبید ان لوگوں کا دل بہلائے رکھتے۔

اچانک عمر بھائی اسے لینے آ گئے۔ اس کا دل تو نہیں چاہا۔ مگر بھابھی نے کہا "اب عمر لینے آ گئے ہیں۔ تم چلی جاؤ۔ امی جان کی واپسی پر آ جانا۔" اس کے دل کو کوئی مروڑے ڈال رہا تھا۔ نہ جا۔ نہ جا۔ چڑیوں کی چہکار سے ایک ہی نغمہ ابھرتا۔ نہ جانا۔ نہ جانا۔ اسے ہر سمت سے سرگوشی سنائی دے رہی تھی۔ خطرہ۔ خطرہ۔ ہوائیں گواہی دے رہی تھیں۔ رک جا۔ رک جا۔ پتے ملتے، تالی بجاتے تو کہتے۔ خطرہ۔ خطرہ۔ فضا میں، ہوا میں، خلا میں، زمین و آسمان کہیں پر عافیت نہ تھی۔ خطرہ خطرہ۔

وہ عمر بھائی سے بحث نہ کر سکی۔ دبی زبان سے کہا ضرور کہ پھوپھو کے آنے کے بعد آ جاؤں گی۔ ابھی بھابھی اکیلی ہیں۔ ناظمہ بھی جا چکی تھی مگر عمر بھائی کچھ پریشان سے تھے، ان کی پریشانی میں اضافہ نہ ہو۔ یہ سوچ کر روانہ ہو گئی۔ جنید نے کہا کہ وہ چند دن بعد آ کر لے آئے گا۔

بھابھی کا موڈ حسب توقع بگڑا ہوا تھا۔ گھر کی حالت ابتر تھی۔ صفائی تھی نہ ترتیب، بکھرا بکھرا سامان، الٹی [illegible] یہاں وہاں [illegible]۔ صبر۔ صبر میرے دل۔ بھابھی کے طنز کے تیروں کے وار وہ صبر کی ڈھال پر روکتی رہی۔ دو تین دن گھر کی صفائی میں لگے۔ پتا نہیں اسے تو عمر بھائی بھی کچھ چپ چپ ڈرے ڈرے سے لگ رہے تھے۔ کئی بار غور کیا، بات سمجھ نہیں آئی۔ اب بھابھی عمر [illegible] نہیں۔

وہ چپ رہتے۔

"اتنا بلایا تم نہ آئیں۔ اب بھی کیوں آئی ہو؟"

کئی بار کے پوچھنے پر آخر کار اسے بولنا پڑا۔

"بھابھی۔ اپنے گھر کوئی کیوں آتا ہے؟" "مجبوراً" ہی جواب دیا تھا۔

"اپنے گھر؟ یہ گھر میرا ہے، صرف میرا سمجھیں۔" وہ چیخ پا ہو گئیں۔ "تمہارا گھر جہاں ہے، وہاں میں ضرور پہنچاؤں گی۔"

عمر بھائی نے کچھ کہا تھا۔ وہ چلانے لگیں۔ عمر بھائی چپ رہ گئے۔ پھر ٹیکسی سے کچھ مہمان اترے۔ پھر کچھ اور۔ پھر اور۔۔۔ اور گھر بھر گیا۔ مہمانوں سے گھر بھر چکا تھا۔

"کل تمہاری شادی ہے۔ میں نے طے کی ہے، اب چین سے بیٹھو۔ بہت من مانی کر چکیں۔"

بھابھی پر غصے کا بھوت سوار تھا۔ وہ سہم کر دو قدم پیچھے ہٹی۔ عمر پر امید بھری نگاہ ڈالی۔ وہاں بھابھی کی قہر آلود نگاہوں کا سایا تھا۔ پلکیں جھپک کر رہ گئے۔

"بھائی۔ یہ۔ یہ کیا ہے؟ بھابھی کیا کہہ رہی ہیں؟" آواز کی کپکپاہٹ رونے سے نہ رکی۔ عمر نے سر جھکا لیا۔

"بھائی۔ بھائی۔ پھوپھو۔ پھوپھو۔۔۔۔" منہ کھل نہ سکا۔ حلق میں نمک کے گولے پھنس گئے۔

"پھوپھو۔۔۔۔ ہونہہ! ان بڑی بی کو میں جواب دے لوں گی۔ تم اس کی پروا نہ کرو۔ اور بس بہت سوال و جواب ہو گئے، چلو اب کمرے میں۔"

بھابھی نے اسے گھسیٹا۔ وہ زارو قطار روتی ہوئی عمر کو دیکھتی رہی۔ کمرے میں لے جا کر پٹخ کر بھابھی نے منہ بگاڑ کر اس کے رونے کی نقل اتاری پھر کہا۔

"منگنی ہو گئی ہے؟ ہونہہ۔ ارے منگنی کیا چیز ہے۔ ہم شادی کریں گے اپنی مرضی سے۔ اب رونا بند کرو۔ منحوس۔"

رونا دھونا۔ خوشامد، آہ و زاری، کھانا چھوڑنا۔ کچھ کارگر نہ ہوا۔ بھابھی نے اس کی شادی اپنے کسی ماموں کے ساتھ طے کر دی تھی۔ ایک مہمان بی بی نے اس کو بلکتے دیکھ کر کہا بھی۔

"بسمہ! ظلم نہ کرو، یہ تو ابھی بچی ہے۔"

"بچی! اس بچی نے میری زندگی حرام کر دی ہے۔"

بھابھی نے دانت پیسے۔ وہ بے خطا تھی۔ کس سے کہتی۔ ظالم نے ہر سمت سے راستے بند کر رکھے تھے۔

رات آدھی سے زیادہ گزر گئی۔ رو رو کر حلق خشک ہو گیا۔ فریاد کر کر کے آواز بیٹھ گئی۔

"مجھے بچا لو۔ مجھے بچا لو۔" کسی انجان سے مخاطب ہو کر چلاتی رہی۔ "پھوپھو۔ پھوپھو آ جائیں۔ مجھے بچا لیں۔ میرے مولا! مجھے اس عذاب سے بچا۔"

روتے روتے تکیہ تر ہو گیا۔ آنکھیں سوج گئیں۔ بال الجھ گئے۔

صبح ہوئی تو قیامت کا منظر تھا۔ شادی کی تقریب کا سماں۔ صحن میں کاغذ کی رنگین جھنڈیاں لگی تھیں، کرسیاں آراستہ تھیں اوہ خدا۔ تو کہاں ہے۔ عمر ہاتھ ملتے ادھر سے ادھر بندہ لاچار کی تصویر بنے پھر رہے تھے۔

"بھائی!" حلق کی ساری طاقت لگا کر ایک بار پھر بھائی کو پکارا۔ "کہاں گیا وہ وعدہ، پھوپھو سے کر کے آئے تھے، جنیب مجھے آ کر بچا لو۔ تم نے کہا تھا نا۔"

رو رو کر ساری توانائی ختم ہو گئی تو وہ بے ہوش ہو گئی۔ پڑوس کی جمیلہ بھابھی نے اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کیں۔ دوپہر ہوئی، پھر شام بھی ہو گئی۔ کیسی دلہن تھی وہ، کسی نے مہندی لگائی تھی نہ اس کے ابٹن ملا تھا کسی کو اس سے ہمدردی نہ تھی۔ وہ سب بھابھی کے رشتے دار تھے پھر بارات بھی آ گئی۔ شور قیامت تھا۔ وہ پھر بے ہوش ہو گئی۔

"مکر کر رہی ہے۔" بھابھی نے فتویٰ صادر کیا۔ "چلو قاضی سے کہو نکاح پڑھائیں۔"

"مگر دولہا نہیں ہے۔ نشے میں غٹ پڑے تھے، بہت اٹھانے کی کوشش کی۔ جگایا، ہلایا، جھنجھوڑا۔ یاد دلایا کہ آج شادی ہے مگر انہیں ہوش نہ تھا۔"

بھابھی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"کیسے ہو تم لوگ۔ زبردستی اٹھا لاتے۔ چلو میں خود جا کر لاتی ہوں، قاضی صاحب کو روکنا۔"

بھابھی ایک دو لڑکوں کو لے کر دولہا کی تلاش میں روانہ ہو گئیں۔ ذرا سی مہلت ہی ملی تھی۔ اس نے پھر فریادیں شروع کر دیں۔

"اللہ! میرے اللہ۔ مجھے بچا لے، آج اس عذاب سے نجات دلا دے مولا۔ یا مجھے موت دے دے۔"

✻ ✻ ✻

صدف نے بڑے عجز سے درخواست کی تھی۔

"بس چند منٹ لگیں گے مجھے، پلیز افضل تم ذرا انتظار کرنا میرا اچھا؟ دو منٹ میں آتی ہوں۔"

افضل نے سیٹ پیچھے کھسکائی۔ پیر پسار کر نیم دراز ہو گیا۔ آنکھوں پر ٹوپی رکھ لی۔

"میں تمہارے دو چار منٹ کی حقیقت جانتا ہوں۔ جاؤ بابا۔۔۔"

باہر سے کسی تقریب کا سماں لگ رہا تھا۔ صدف حیران تھی کہ آج بسمہ کے گھر کیا تقریب ہے، اسے بتایا تک نہیں۔ وہ بسمہ کو پکارتی ہوئی اندر گھسی تو پروا سے سامنا ہو گیا۔

تباہ حال۔ سوجے ہوئے چہرے، دھوئیں جیسی رنگت اور پپڑائے ہونٹوں پر فریاد۔

"صدف آپا! صدف آپا مجھے بچا لیں۔ کہیں چھپا دیں۔ مجھے نہیں کرنی شادی۔ صدف آپا!"

صدف کے سنبھالتے سنبھالتے وہ اس کے بازوؤں میں جھول گئی۔ ناتوانی سی ناتوانی تھی۔

جمیلہ بھابھی نے آگے آ کر صدف کو بتایا۔ "بسمہ اپنے بڈھے ماموں سے پروا کی شادی کر رہی ہے۔ نشے باز بھی ہے موا۔ دو بیویاں بھاگ چکی ہیں۔ اور اب پروا کو چنا گیا ہے۔"

پروا کا حال تباہ تھا۔ پہچانی نہیں جاتی تھی۔

صدف نے عمر سے رجوع کیا۔ وہ گردن جھکا کر منمنانے لگے۔ جمیلہ بھابھی نے صدف کو اکسایا۔

"وقت بہت کم ہے۔ بہت ہی کم ہے۔ پتا نہیں کب وہ بے ہوش دولہا کو لے کر آ جائے۔ ہم تو محلے والے ٹھہرے، ہمیں تو یہیں رہنا ہے۔ مکان سر پر تو

اٹھا کر کہیں جا نہیں سکتے، ورنہ پروا کے لیے ضرور کچھ کرتے۔ بے چاری صبح سے چار دفعہ بے ہوش ہوئی ہے۔ وکھوجی بغیر مرضی کے نکاح کرنا تو گناہ ہے۔"

صدف نے پروا کو دیکھا، چہرے پر مردنی چھائی ہوئی۔ خشک ہونٹ، سوجی سوجی آنکھیں، بے بسی اور معصومیت کی تصویر۔ مظلوم۔ اسے مدد کی واقعی ضرورت ہے۔ وہ دوڑتی ہوئی گھر سے نکل گئی۔

افضل نے غصے سے گھڑی کی جانب دیکھا۔ پھر صدف کی طرف اور اسٹیئرنگ پر ہاتھ جمادیے۔

"جلدی آؤ۔ مجھے سخت بھوک لگی ہے۔ آدھا گھنٹہ ہو گیا۔ تمہارے دو منٹ ابھی ختم نہیں ہوئے۔"

"افضل! ذرا رکو۔" صدف کی سرگوشی، پراسرار لہجہ۔ وہ گھبرا گیا۔

"افضل! ایک بے قصور لڑکی پر ظلم ہو رہا ہے اور ہمیں اسے بچانا ہے، ضروری ہے۔"

"کیوں؟ تم خدائی فوجدار ہو۔"

"افضل! برائے خدا، لڑکی نے مجھے خدا رسول کے واسطے دیے ہیں۔ پلیز میری مدد کرو۔"

دس منٹ افضل کو تیار کرنے میں لگ گئے۔ وہ مجبور ہو گیا۔

"تم کو میرا بھروسا ہے نا؟ پھر بھی یقین دلاتی ہوں۔ تم کبھی مایوس نہیں ہو گے۔ بس اسے ہر حال میں اس گھر سے لے کر جانا ہے۔ بعد کے معاملات میں سنبھال لوں گی۔"

دس منٹ عمر کو سمجھانے اور واسطے دینے میں لگے، پروا کو سارا معاملہ سمجھانے میں ایک منٹ لگا۔ وہ پھر بلک بلک کر رو دی۔

"اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں پروا۔ بسمہ میری دشمن ہو جائے گی۔ اگر تم کو کہیں لے بھی جاؤں تو وہ تمہیں برآمد کرا لے گی اور مجھ پر اغوا کا جرم ثابت ہو جائے گا۔ سوائے عمر بھائی کے کوئی اور تمہیں چھپا نہیں سکتا اور وہ میرے ساتھ تعاون پر تیار ہیں۔"

انسان جو خود کو بہت بلند و برتر سمجھتا ہے اعلا و ارفع تصور کرتا ہے مگر خدا کی قوت۔۔۔ اس کی حکمت کے آگے سب بے بس ہیں۔ بسمہ کی ساری منصوبہ بندی، ارادے دھرے رہ گئے۔ اس کے حسد کا انجام اس کے لیے خواہ کچھ ہوا ہو۔ پروا اس عذاب سے نجات پا چکی تھی۔ جس کے لیے رو رو کر دعائیں کر رہی تھی۔

افضل نے دماغ پر بہت زور ڈالا کہ یاد آجائے۔ کبھی اس نے کوئی بڑا گناہ کیا تھا؟ جس کی سزا میں اسے صدف جیسی جلد باز، متلون مزاج لڑکی سے سابقہ ہوا۔

پروا کی رخصتی بھی خوب تھی، سارے مہمان دور کھڑے تھے، یا کہیں نہ کہیں کھانا کھا رہے تھے۔ انہیں دلہن کی رخصتی سے ذرا دلچسپی نہ تھی۔ قاضی صاحب کو بھی جلدی تھی۔ وہ نکاح پڑھا کر چھوہاروں کی پوٹلی بغل میں دبا کر تیزی سے نکلے۔ رومال میں کھانا بھی بعد میں کسی نے ان کے گھر تک پہنچایا۔ وہ تو لمبے لمبے ڈگ بھرتے بسمہ کی پہنچ سے دور چلے گئے۔

صدف پروا کو لے کر پچھلی سیٹ پر جا بیٹھی۔ افضل نے گلاب کا موٹا سا ہار پیچھے اچھال دیا۔ اور زووں۔ گاڑی آگے بڑھ گئی۔

"پلیز آہستہ۔" صدف کہتی رہی اور بے ہوش پروا کو سنبھالتی بھی رہی۔ گھر کا دروازہ آیا۔ تو گاڑی رک گئی۔ افضل اپنی سیٹ پر بیٹھا رہا۔ "اب کیا کروں؟"

"اب اسے اٹھا کر اندر لے چلو۔" افضل نے احتیاط سے پروا کو سنبھال لیا۔ اندر پہنچ کر پوچھا۔

"اچھا اب کیا کرنا ہے۔"

"مہربانی کرکے طنز مت کرو۔ یہ قدرت کا انعام ہے جو تمہارے ظرف کے امتحان کا نتیجہ ہے، سمجھے؟ نہ یہ خود سے بھاگ کر آئی ہے نہ ہی تم اسے پکڑ کر لائے ہو۔ اس کے وارثوں نے تمہاری رضا پر اسے درجنوں لوگوں کے سامنے تمہارے ہاتھ میں دیا ہے۔ اب وقت ہی بتائے گا کہ میں سرخرو ہوئی؟ یہ بہت مجبور، بے کس لڑکی ہے لیکن کبھی بھی تمہیں مایوس نہیں کرے گی۔ کبھی تمہیں افسوس نہیں ہو گا اور۔۔۔ خدا

کی رضا بھی یہی ہے۔ کہ تم اس کے نگہبان بنو۔ سو بن گئے اب مجھ سے سوال مت کرنا۔"

صدف نے کچھ نرمی کچھ گرمی کا مظاہرہ کیا۔ اس کی رات ایک بجے فلائٹ تھی۔ وہ انہیں چھوڑ کر اپنے ہاسٹل چلی گئی۔ جہاں سے اسے بہت جلدی میں ایئرپورٹ پہنچنا پڑا۔

اسے خبر ہی نہ ہوئی کہ گھر پہنچ کر بسمہ کو حالات کا علم ہونے کے بعد کس قسم کا غم و غصہ کا دورہ پڑا تھا کہ ہاتھ ملنے کا بھی موقع نہ ملا۔ آگ میں جلتی وہ اسی وقت صدف کے ہاسٹل گئی۔ تو اسے بتایا گیا کہ وہ فلائی کر گئی ہے، وہاں کسی کو بھی افضل کی قیام گاہ کا علم نہ تھا۔ بسمہ پر دوہری ناکامی کا غلبہ تھا اور اس ناکامی کا انتقام وہ عمر سے لینا چاہتی تھی۔ لیکن عمر کے کچھ عزیز۔۔۔ اور محلے کے معززین اس کی پشت پناہ بن گئے تھے۔

پروا کمرے میں بے سدھ پڑی تھی ہوش میں تھی مگر نقاہت سے اٹھ بھی نہ پائی تھی۔ بس بھابھی کے انتقام سے بچ جانے کا اطمینان تھا، لیکن یہ دوسری صورت بھی تو قابل قبول نہ تھی۔ اسی کے خوف سے لرزہ براندام پڑی تھی۔

افضل بھی کم پریشان نہ تھا۔ صدف اسے امتحان میں ڈال گئی تھی۔ بغیر کسی ارادے کے۔ وہ شوہر بنا دیا گیا۔ ایسا تو کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ لڑکی کی سرد آہیں اور مدھم سسکیاں اسے رنجیدہ کر رہی تھیں۔

وہ گرم دودھ لے کر کمرے میں آیا تو لڑکی کانپ رہی تھی۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر کچھ کہنے کی کوشش بھی کی۔ مگر اس کے کانپتے لبوں سے کوئی آواز نہ نکلی۔ افضل اتنا ناسمجھ بھی نہ تھا کہ اس کا مطلب نہ سمجھتا۔ اسے بتایا گیا تھا کہ ایک عمر رسیدہ نشے باز شخص کے ساتھ زبردستی اسے بیاہا جا رہا ہے، لڑکی کی مرضی نہیں ہے اسے بچانا ہے، اس نشے باز سے اور اس دشمن بھابھی سے۔ لڑکی کو افضل سے شادی پر بھی تو مجبور کیا گیا تھا۔ خود اسے بھی صدف نے واسطے دے کر مجبور کیا۔ لڑکی کی حالت خاصی تشویش ناک تھی۔ وہ نقاہت سے لرز رہی تھی، خوف سے زرد ہو گئی تھی۔

(شاید اس کی مرضی کہیں اور ہو۔)

افضل نے بڑی نرمی اور ملائمت سے اسے پورا دودھ پلا دیا۔ تسلی دی کہ وہ خود کو محفوظ سمجھے۔ صدف کے آنے تک وہ اس کا ہر طرح خیال رکھے گا۔ پھر صدف فیصلہ کرے گی کہ آئندہ کیا ہو۔ کیونکہ اس نے اسے یقین دلایا تھا کہ بس لڑکی کو اس کی بھابھی کے چنگل سے بچانا ہے اور اس نے یہ کام کر دیا تھا۔ اب آئندہ لائحہ عمل خود لڑکی کو طے کرنا ہے۔ یا صدف کا مشورہ۔ اس نے خود کو بری الذمہ قرار دیا تھا۔ افضل نے واضح طور پر لڑکی کے اطمینان بھرے سانس کی آواز سنی۔ وہ گھر کے دوسرے کمرے میں چلا آیا اور صوفے پر گر پڑا۔ تھکن سے برا حال تھا۔ نیند اس سے روٹھ گئی تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے جا کر جھانکا تو وہ بے خبر سوئی ہوئی تھی۔ اس نے افضل کی شرافت پر یقین کر لیا تھا یا وہ نیند کی ترسی ہوئی تھی۔ وہ جو زبردستی اس کی زندگی میں داخل کر دی گئی۔ اب کیا طے کرے گی۔ پتا نہیں کس مزاج کی ہے۔ صدف نے تو ہر طرح یقین دلایا تھا۔

رات تین بجے فون کی گھنٹی نے اسے ڈسٹرب کیا۔ حسب توقع صدف تھی۔ ایئرپورٹ سے بول رہی تھی۔

"وہ کیسی ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا اس کی؟ کچھ کھلایا پلایا اسے؟" وہ بہت بے قرار ہو رہی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر میں۔۔۔ میں۔۔۔"

"میں سمجھ گئی۔ تم بکرا بن گئے ہو۔ ممیا رہے ہو۔ ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"میں ایسے مذاق پسند نہیں کرتا۔ سنو صدف! آخر اس کا انجام کیا ہو گا؟"

"ان شاء اللہ۔ انجام بخیر ہو گا۔ تم اس کا خیال رکھنا، افسوس کہ مجھے آج ہی جانا پڑ رہا ہے۔ ورنہ میں اس کی دیکھ بھال کر لیتی۔ اسے محبت کی نرمی اور گرمی کی ضرورت ہے۔ اسے تحفظ کا یقین دلاؤ۔"

"سنو۔ سنو صدف! میں کوئی فرشتہ نہیں ہوں اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کس حیثیت سے میرے

گھر میں رہے گی۔ اور کب تک؟"

"مجھے معلوم ہے کہ تم انسان ہو اور اس پر کسی کو شک نہیں ہونا چاہیے۔ اور یہ لڑکی جائز بیوی ہے تمہاری، اس میں بھی کوئی شک نہیں۔ افضل! جو کارنامہ تم نے سرانجام دیا ہے نا۔ وہ تمہیں فرشتوں کی صف میں کھڑا کر چکا ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں۔ وہ ہوش میں آ کر صدمے کے اثر سے نکل کر میری اس بات کی گواہی دے گی، اچھا ہاں۔ اس کے لباس وغیرہ۔"

"ہونہہ۔ وہ گواہی دے گی لیکن تمہیں ماننا چاہیے کہ میرے ساتھ تم نے نہایت نامناسب رویہ رکھا۔ ناجائز دباؤ ڈالا۔ اور خود اس لڑکی کو بھی مجبور کیا کہ وہ کھائی سے بچے تو غار میں جا گرے۔"

"نہیں۔ میں نے ہر مصیبت سے بچانے کا عزم کر کے تمہارا انتخاب کیا تھا۔ سمجھ لو کہ اسے جہنم سے بچا لیا ہے۔ اب اسے جنت دینا تمہاری ذمہ داری ہے۔ کم از کم ایک فرشتے کی پشت پناہی اسے حاصل ہو گی۔ ہیں نا؟"

صدف کے ہنسنے کی آواز آئی اور فون بند ہو گیا۔ وہ سر تھام کر بیٹھ گیا۔ صدف کے لیے تو ہر مرحلہ آسان ثابت ہوتا تھا۔ خود افضل کے لیے ہی وہ دشواریاں پیدا کرتی جاتی تھی، ہمیشہ ہر دفعہ اپنے ارادے، اپنے فیصلے اپنی ضدوں کے نتائج سے لاپروا، بے نیاز ہو کر افضل کو آزمائشوں میں مبتلا کرتی رہی تھی۔ سر میں سخت درد تھا اور تفکرات کا بوجھ بھی۔ دفتر سے چھٹی لینے پر مجبور ہو گیا۔ رات آنکھوں میں کٹ گئی۔ صبح اپنے لیے چائے بنا رہا تھا تو اس کا خیال بھی آ گیا۔ چائے لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ وہ جاگی ہوئی تھی۔ بیٹھی تھی۔ آنسو تواتر سے اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔

"ہیلو۔" اس نے نارمل انداز سے مخاطب کیا۔ وہ جھٹ سے منہ پھیر کر آنسو خشک کرنے لگی۔

"لو۔۔۔ گرم گرم چائے پیو۔ اور سارے آنسو اس میں ڈبو دو۔ اور سب غم بھلا دو۔"

اس نے نیم مزاحیہ انداز اختیار کیا۔

"کیونکہ اب تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ صدف نے کہا ہے کہ۔۔۔۔"

وہ اس کے چہرے پر نظر ڈالنے میں ناکام رہا کہ اس نے گردن موڑی ہوئی تھی۔ بالوں کی موٹی سی چوٹی۔ خوبصورت گول سر۔ اور کانوں میں جھومتی بالیوں سے ہی مخاطب ہونا پڑا۔ "صدف نے کہا ہے کہ چونکہ میں نے تمہیں جہنم سے نجات دلائی ہے، اس لیے میں فرشتوں کی صف میں کھڑا ہو گیا ہوں۔ صدف نے یہ بھی کہا ہے کہ سب کچھ جائز طریقے پر ہوا ہے، کسی کا کسی پر احسان نہیں۔ کوئی دباؤ نہیں لیکن تمہارے یہ آنسو تو کوئی اور کہانی سنا رہے ہیں، کیا تمہیں اس جہنم سے نجات ملنے کی کوئی خوشی نہیں؟ اچھا چلو، میری طرف منہ کر کے بیٹھو۔ ورنہ میں بہت برا آدمی ہوں، زبردستی بھی کر سکتا ہوں۔" لڑکی کے منہ سے چیخ نما سسکی خارج ہوئی۔

"اوہو۔ اتنا بھی برا نہیں کہ تم چیخیں مارو۔ میں تو محاورتاً کہہ رہا ہوں، فرشتے سے تو۔۔۔۔ برا ہی ہوں اور تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جس طرح تم اس جہنم سے نکلنے کے لیے میرے گھر آنے پر مجبور ہو، میں بھی مجبور کیا گیا، ہماری مشرقی تاریخ میں تو یہ سہرے لڑکیوں، عورتوں کے سر بندھے ہیں۔ ہزاروں مجبوریاں رقم ہیں۔ لیکن ایک آزاد منش، دیدہ دلیر قسم کے مرد کے لیے یہ سچویشن قطعاً "نئی" ہے۔ نہ میری دادی جان نے خاندان کے وقار کی قسم دے کر مجبور کیا نہ ابا جان نے اپنی زبان کے وقار کا واسطہ دیا۔"

وہ پیالی اس کے سامنے کر کے اس کے منہ سے لگانے میں کامیاب ہو گیا۔ لڑکی نے فوراً ہاتھ سے پکڑ لی۔

"مجھے تو ایک ڈکٹیٹر قسم کی خاتون نے ہمدردی کے نام پر، اور واضح ہو کہ یہ ہمدردی صرف تمہارے لیے تھی۔ مجھ سے تو ان کا مخالفانہ رویہ روز اول سے جاری ہے۔ زندہ مثال ہوں ان کے ظلم و ستم کی۔ جن کے حکم کی پابندی پر مجبور کیا گیا۔"

لڑکی نے ایک گھونٹ بھرا تھا، سوں سوں کی آواز

بھی نکالی۔ سسکی۔ افضل نے فوراً" اپنا رومال پیش کیا۔

"تو محترمہ۔ آپ بھی ذرا میری مجبوریوں پر رحم کھائیں۔ مجھے ناشتے کی اشد ضرورت ہے۔ سر میں سخت درد ہے۔ صرف چائے پیش کرنے پر نادم ہوں۔ اپنی اور میری مدد کرنا آپ پر فرض ہو گیا ہے۔ آیئے کچن دکھا دوں۔ آنسوؤں سے منہ تو دھو چکی ہیں آپ۔ پھر بھی اگر پانی سے منہ دھونا ہو تو سائیڈ میں باتھ روم بھی ہے۔"

پروا کھڑی ہو گئی۔ منہ دھو چکی تھی۔ وہ افضل کے عقب میں چل پڑی۔

کچن خاصا کشادہ مگر بے ترتیب تھا۔

"جب صدف آتی ہے۔ مجھے گالیاں دیتی ہے میری لاپروائی اور پھوہڑپنے کو کوستی ہے اور کچن درست کر کے جاتی ہے۔ خیر تلاش کرنے پر سب کچھ مل جائے گا۔ میں یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ کون سی چیز کہاں ملے گی۔ میں ذرا غسل کر لوں۔"

وہ کہہ کر چلا گیا تو پروا کی جان میں جان آئی۔ صفائی پسند لگتا ہے بے ترتیبی ہے مگر گندگی نہیں۔ یہ صدف اس کی کون ہے؟ جس کے حکم سے وہ مجبور ہو گیا۔ پتا نہیں صدف نے کس حق کے تحت اسے رضامند کیا ہو گا۔ ان کا آپس میں کیا رشتہ ہے کیا تعلق ہے؟

یوں تو صدف کے ساتھ ایک دوبار اس نے افضل کو دیکھا تھا۔ مگر وہ گھر میں کبھی نہیں آیا۔ صدف کو چھوڑ کر چلا جاتا تھا۔ اور اس وقت۔ جب اسے کسی فرشتے کی ضرورت تھی صدف نے اس کی ہر امید کو بامراد کیا۔ وہ اور کرتی بھی کیا۔ افضل تھا تو صدف بھی کامیاب ہو گئی۔ ورنہ صدف آپا۔ آپ کا احسان ہے کہ آپ نے مجھے۔ ایک غیر بے بس لڑکی کے دکھ کو محسوس کیا اور اپنی ذمہ داری پر عمر بھائی کو بھی مجبور کیا۔ نہ آپ آتیں۔ نہ میں زندہ ہوتی بھابھی کے ماموں کے گھر میں۔ خوف سے آنکھیں بند کیے اس نے شکر ادا کیا۔ وہ کم از کم زندہ تو تھی اور زندگی کے سارے لوازمات کے ساتھ۔ حوصلے امنگ امیدیں زندہ تھیں۔ صدف نے اسے بچا لیا تھا۔ وہ بھی فرشتہ نکلی اور افضل بھی۔

آملیٹ وہ بنا چکی تو پراٹھے ڈالنے لگی۔ بھوک سے اس کی جان نکلی جا رہی تھی۔ اپنے بھائی کے گھر سے بھوکی آئی تھی۔ جب سے بھابھی نے اسے شادی کی نوید دی۔ تب سے دانا پانی حرام ہو گیا تھا۔ رات کے دودھ نے کچھ توانائی بخشی۔ کچھ نیند نے۔ بیڈ روم میں میز پر ناشتا رکھ دیا۔

افضل فوراً" شروع ہو گیا۔ اور پسندیدگی کا اظہار آنکھوں اور بھنوؤں سے کر رہا تھا۔ اس کا انداز گفتگو اور حرکتیں جنید کی طرح تھیں۔ حالانکہ اس کے لیے بھی یہ سچویشن پریشان کن ہونی چاہیے۔ لیکن مرد زیادہ قوت برداشت رکھتے ہیں۔ شاید یہ وجہ ہو۔ اس کے کسی انداز یا عمل سے فکر کا اظہار نہ ہوا۔ وہ سر جھکائے ناشتا کر رہی تھی' آنکھیں بار بار بھر آتیں۔ افضل مگر خوش تھا۔ اس نے پروا سے اس کا نام دریافت کیا۔

"مجھے علم تو ہونا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ کسی موقع پر ضرورت پڑے تو اغوا کا الزام بھی لگ جائے۔ پھانسی ہے اغوا کی سزا۔ ہاں کیا نام بتایا آپ نے؟"

"پروا۔" حلق میں لقمہ پھنس گیا۔

"ہاں۔ اچھا۔ تو یہ پرواز بیگم کوئی عجیب سا نام نہیں؟"

"پروا ہے نام صرف پروا۔" اپنے نام کی تکرار عجیب لگ رہی تھی۔

"اچھا خیر۔ نام سے کیا ہوتا ہے۔ پروا ہو کہ پچھوا۔ ہوا تو سانس کی آمدورفت برقرار رکھنے کے لیے بہت ضروری ہے' شکر ہے تمہارا نام ہوا پر ہے۔ آگ پر نہیں۔ مجھے تو شمع نام سے بھی ڈر لگتا ہے کہ کہیں جلا نہ ڈالے' اچھا تو پروا۔ بات یہ ہے کہ میں تو اب سوؤں گا۔ رات بھر جاگا ہوں' دراصل میں واقعی فرشتہ نہیں۔ جب ایک جوان حسین مہکتا ہوا وجود سامنے ہو تو بڑے بڑے پرہیزگار ایمان کھو بیٹھتے ہیں اور میرا تو حق ہے۔ نکاح ہوا ہے باقاعدہ آپ سے' ہے نا؟ لیکن کسی

کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا۔ سخت گناہ سمجھتا ہوں' صدف نے کہا تھا۔ ابھی تو اسے اس گھر سے نکالنا ہے۔ بعد میں دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے تو جناب صدف کے آنے تک میں بھی پابند ہوں اور آپ بھی۔ آپ بھی موقع سے فائدہ اٹھا کر میرے بارے میں غور کریں۔"

پروا کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ سانس تیز ہو رہی تھی۔ یہ کیسی باتیں کر رہا تھا۔

"آپ کے سامنے تو مجبوری در مجبوری تھی' مجھے قبول کرنے کے لیے۔ مگر میرا تو کوئی پروگرام نہ تھا۔ چاہتا تو انکار کر دیتا لیکن آپ کو مصیبت سے بچانا بھی چاہتا تھا۔ صدف جو چاہتی ہے' مجھ سے کرا لیتی ہے اور میں۔ خیر آپ ناشتا کریں۔ سوچیں۔ ممکن ہے آپ کی جلاد صفت بھابھی اپنے کیے پر پشیمان ہوں لیکن عمر بھائی ہمارے حامی ہیں۔"

پروا سر جھکائے ناشتا کرتی رہی' بہت بھوکی تھی اور اس کی نیند پوری ہو چکی تھی' افضل دوسرے کمرے میں سونے چلا گیا۔ وہ سوچتی رہی۔ انگلی میں پھپھو کی پہنائی انگوٹھی کی موجودگی میں وہ افضل کے بارے میں کیا سوچے۔ عمر بھائی نے بھی۔ اس کے نکاح میں اتنی عجلت کی' وہ بھابھی سے انکار کر دیتے تو یہ نوبت کیوں آتی۔ صدف کی مہربانی اور ہمدردی' بھابھی کی غیر موجودگی عمر بھائی کے لیے اس فیصلے پر عمل کرنے میں معاون بنی۔ پتا نہیں عمر بھائی' بھابھی سے اتنا کیوں ڈرتے ہیں اور معلوم نہیں ان کا یہ فیصلہ۔ عارضی ہے کہ۔ وہ بھی اس کی طرح پر امید ہیں۔ پھپھو کے خطرے۔

لیکن افضل نے یہ کیوں کہا کہ اب تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ نکاح ہوا ہے جائز' یہ وہ کیا ان کی نیت کچھ اور ہے؟ کیسا آدمی ہے یہ؟ فرشتہ نہیں لیکن شریف ہے۔ رات اس نے کتنی مہربانی کی۔ تسلی بھی دی اور دودھ بھی اصرار کر کے پلایا۔ ورنہ وہ شاید رات میں بھوک سے ہی مر جاتی اور اب سوچنے کا آرڈر دے گیا۔ کیا اب واقعی کچھ نہیں ہو سکتا؟ پھر صدف کی واپسی تک پابندی کا کیوں نام لیا۔ اب پھوپھو کے تاثرات۔ جنیب کے خیالات کیا ہوں گے؟ کیا وہ اتنے وسیع القلب ہیں؟

اس نے بھابھی کا کچھ نہیں بگاڑا مگر انہوں نے اس کی زندگی کو مسخ کر کے رکھ دیا۔ کس سے فریاد کرے۔ چچی اماں نے اس پر ظلم کیا۔ اسے مسترد کر کے۔ پھر بھول ہی گئیں۔ تب اس نے بھی انہیں ان کے سلوک کو بھلا دیا۔ صبر کر لیا۔ پھوپھو' تنویر بھابھی' جنید' عبید' جنیب۔ سب لوگ اس کے غموں کی تلافی کر رہے تھے۔ لیکن بسمہ بھابھی کے بس نے تو تباہی کے کنارے کھڑا کر دیا تھا۔ صدف آپا کا بھلا ہو۔ پھر صدف افضل کی کون ہے۔ اسے اتنا حق کس نے دیا کہ افضل پر حکمرانی کرے۔

"ہیلو! کھانے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

وہ باہر سے ہی پوچھ رہا تھا۔ پروا چونک کر اٹھ بیٹھی۔ خیالوں میں گم تھی۔ پھوپھو' چچی اماں اور جنیب۔ جس کو پکار پکار کر حلق خشک ہو چلا تھا۔ وہی تو بربادی کا سبب تھا۔ نہ پہناتا انگوٹھی۔ (کبھی مل گیا تو سوری کہہ کر گزر جائے گا۔) وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا۔ وہی ہوا جس کا اسے خدشہ تھا۔ جنیب تک خبر پہنچنے تک وہ تباہ ہو چکی ہو گی۔ یہ تو صدف کا احسان تھا۔ کم از کم اس بڈھے نشے باز سے تو جان بچی ورنہ۔۔۔ یا مر جاتی یا اسے مار کر پھانسی چڑھ جاتی۔

افضل بازار سے کھانا لے آیا تھا۔ کھانا کھانے کے دوران افضل نے پانی کا گلاس اسے دیتے ہوئے پروا کی انگوٹھی دیکھی۔

"یہ انگوٹھی۔۔۔ منگنی کی تو نہیں؟" وہ خاصا ذہین تھا۔

پروا کے دل پر چوٹ لگی۔ روٹی پلیٹ میں رکھ کر وہ سسکنے لگی۔ بڑی زور کا رونا آیا تھا۔

افضل اسے روتا دیکھتا رہا۔ "اچھا تو یہ بات ہے پھر تو کوئی جذباتی وابستگی بھی ہو گی۔" کچھ دیر بعد اس نے روٹی کا ٹکڑا پروا کے ہاتھ میں دے کر سنجیدگی سے کہا۔

"کھانا کھاؤ۔ رونے کے لیے تو عمر پڑی ہے' زندگی

میں ایسے حادثے ہوتے ہیں۔ ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ ان سے ہارنا اپنے وجود کی نفی ہوتی ہے۔ ارے اپنا وجود بہت قیمتی ہوتا ہے۔ اس کی قدر کرو' قدر' چلو کھانا کھاؤ۔"

افضل کے لہجے میں اپنائیت تھی۔ بالکل جنیب کی طرح۔ جس نے کہا تھا' حادثے زندگی میں ہوتے ہیں' تمہاری بھابھی بھی حادثے سے کم نہیں' جن سے بچانے کے لیے امی نے منگنی کردی ہے۔" پھوپھو اور جنیب نے اسے بھابھی سے بچانے کے لیے منگنی کی تھی مگر وہ پھر بھی نہ بچی۔ بھابھی حادثے کی طرح اس پر ٹوٹ پڑی تھیں۔ پھر صدف آپا نے ان سے بچانے کے لیے اس کی شادی ہی کروادی۔ "عمر بھائی..... عمر بھائی' کاش! آپ پر بھابھی اتنی حاوی نہ ہوتیں۔"

"مایوسی گناہ ہے' شکر کرو کہ اس عذاب سے بچ گئی ہو۔"

اس نے پروا کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اور پروا کو محسوس ہوا جیسے اس کے سر پر آسمان ٹھہر گیا ہو۔ کوئی تھا۔ جو اس پر حق رکھتا تھا۔ کسی حادثے کے طور پر سہی۔ مگر اب وہ تنہا نہ تھی پہلے کی طرح۔ دنیا دکھاوے کے لیے سہی۔ وہ اب خود کو بے سہارا نہ کہے گی۔ اس کے دل کو تسکین سی ہوئی' آنسو خود بخود رک گئے۔ اور وہ پھر سے کھانا کھانے لگی' افضل نے بھی پھر کچھ نہ کہا۔ وہ کچھ سوچنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

شام خاصی دل آویز تھی۔ افق پر آسمان سرخ ہو رہا تھا جس کی نارنجی شعاعیں ماحول کو گلابی کر رہی تھیں' نیلا آسمان' نارنجی شعاعیں۔ گلابی بادل' گلابی فضائیں' چہرے کی زردی بھی غائب ہو گئی تھی اور آنکھیں بھی اب برائی کیفیت میں آگئی تھیں۔ آنکھوں کی سوجن ختم ہو گئی تھی اور دل بھی کچھ ٹھہر سا گیا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی' افضل باہر گیا..... واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک بنڈل سا تھا اور وہ ایک خط پڑھتا آرہا تھا۔ خط صدف کا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ جناب نے پروا کے لباس کا کوئی انتظام نہ کیا ہوگا اور بے وقوفوں کی طرح دنیا سے منہ چھپائے گھر میں گھسے بیٹھے ہوگے۔ افضل! ایسے ہو تم۔ ارے بابا! اب تم بچہ نہیں رہے' شوہر بن گئے ہو۔ (بنا دیا گیا ہوں) ہماری فلائٹ لیٹ ہو گئی۔ اب صبح پانچ بجے جائے گی۔ میں اور آصفہ جنرل اسٹور گئے۔ سپر مارکیٹ گھومے' پھر کہیں پروا کے لیے چند چیزیں دستیاب ہوئیں۔ اب تم اس کو لے کر اس کے بھائی کے گھر جانا۔ کچھ دیر ٹھہر کر آجانا۔ پروا کو ہرگز وہاں نہ چھوڑنا۔ کسی قیمت پر نہیں۔ اب وہ تمہاری ذمہ داری ہے' سمجھتے ہو؟ تمہارے تحفظ میں ہے وہ' بسمہ بہت کینہ پرور ہے اور اس وقت زخمی ناگن بنی ہوئی ہوگی' خیر میں یہ بنڈل سلمیٰ کو دے جاؤں گی۔ وہ کسی کے ذریعے پہنچا دے گی۔ دیکھو پروا کا خیال رکھنا۔ یا تو چند دن کی چھٹی لے لو یا پھر اسے اس کی پھوپھو کے گھر پہنچا دو۔ ٹھیک؟ اچھا بھئی' شاید میرا یہ ٹرپ کچھ لمبا ہو جائے۔

خیر کی طالب۔ صدف

افضل نے بنڈل اور خط پروا کے سامنے پھینکا اور باہر نکل گیا۔ خط پڑھ کر پروا متاثر ہو گئی۔ صدف آپا! آپ تو سچ فرشتہ رحمت ہیں۔ بنڈل میں گہرے سبز رنگ کی خوبصورت بنارسی ساڑھی تھی۔ جس میں آتشی گلابی اور اودے رنگ کا بارڈر تھا۔ سنہری بیل والا بارڈر' دمکتی ہوئی شوخ رنگ کی ساڑھی۔ پروا کا پسندیدہ رنگ۔ فیروزی اور سرخ رنگ کے دو سادہ سوٹ بھی تھے۔ ڈبے میں سبز رنگوں کی جیولری۔ میک اپ کا ضروری سامان اور سرخ چوڑیاں۔

صدف کو اس کا کتنا خیال تھا۔ افضل کو خط پڑھ کر غصہ آگیا تھا۔ وہ اپنا غصہ کم کرنے کے لیے کہیں چلا گیا تھا۔

"صدف آپا میری وجہ سے خاصی زیر بار ہوئیں۔ اتنا سامان لے لیا۔"

"کوئی زیر باری نہیں ہے' اسے عادت ہے۔ ہر کسی کی ہمدردی میں سب کچھ خرچ کر ڈالتی ہے۔ صرف

میں ایسا بندہ بشر ہوں' جس پر اپنے احکامات نازل کرتی ہے۔" وہ بھنایا ہوا تھا۔

"چلیں۔ یہ اس کی بھیجی ہوئی ساڑھی' زیور وغیرہ اٹھا کر پہن ڈالیں۔ جس پر اپنا پیسہ پھینکا ہے اس نے۔ پھر چلتے ہیں اس کے حکم کی تعمیل میں۔"

پروا کو اب بھابھی کا خوف نہ تھا' جب سے افضل نے اس کا آسمان بننا منظور کیا۔ اور صدف نے اس کے راستے صاف کیے' اس کی مہربانی اور لطف و عنایت خوش کن پھوار کی مانند اس کے دل کو تازہ کر رہی تھی۔ رنج و فکر کے ڈیرے اکھڑ چکے تھے۔ وہ تنہا نہیں تھی۔

وہ حسین رنگ شوخ قسم کی ساڑھی پہن کر باہر نکلی تو لمحہ بھر کو تو افضل بھی گڑبڑا گیا۔ (کون ہے یہ پری؟ رات والی اجڑی خزاں زدہ لڑکی یہ تو ہو نہیں سکتی۔")

جب وہ بھائی کے گھر پہنچے' مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ عمر بھائی انہیں دیکھ کر حیران اور خوش ہوئے' بھابھی سامنے کھڑی تھیں۔ اسے دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ حلقوں سے ابلنے لگیں' پھر وہ ایک دل دوز چیخ مار کر بھاگیں اور اپنے کمرے میں بند ہو گئیں۔ عمر بھائی شرمندہ سے ہو گئے۔ پروا بھی کھسیانی ہو گئی۔

"بس یہی حال ہے۔"

عمر بھائی نے تاسف سے کہا' وہ معذرت طلب نظروں سے افضل کو دیکھنے لگے' اس شخص سے کل تک وہ واقف بھی نہ تھے اور آج وہ دندناتا ہوا ان کے گھر آگیا تھا۔ انہوں نے بغور پروا کو دیکھا' قیمتی ساڑھی اور زیورات میں میک اپ کیے وہ بہت مختلف اور معزز نظر آرہی تھی۔ کل سے بہت مختلف بالکل بدل گئی تھی' اعتماد سے بیٹھی تھی اور شاید خوش بھی تھی۔ انہیں بھی یہ امید نہ تھی کہ وہ اگلے دن اس سج دھج کے ساتھ آجائے گی۔

جب بسمہ نے دروازہ نہ کھولا تو عمر بھائی پڑوس سے جمیلہ بھابھی کو بلا لائے۔ یہ بہت بے تکلف ہستی تھیں اور ان ہی نے صدف کو اکسایا تھا۔ کہ وہ کچھ بھی کر کے پروا کو بڈھے سے بچائے' آتے ہی اسے گلے لگا کر بولنا شروع کر دیا۔

"ہائے ماشاء اللہ۔ لشکارے مار رہی ہے پروا۔"

"بھائی جی' ذرا دیکھیں' یہ کل والی پروا تو نہیں نا اور سناؤ خوش تو ہو نا؟ یہ ہیں تیرے دولہا؟ کل تو ڈھنگ سے دیکھ نہ سکی تھی۔"

انہوں نے ترچھی نظر سے افضل کو دیکھا۔

"ہائے بڑا سوہنا ہے' ماشاء اللہ چاند سورج کی جوڑی ہے' خوش تو ہے نا تو۔ خوش نہ ہوئی تو کمال تھا..... اللہ بنائی رکھے' بھائی جان! دیکھیں' ایک یہ جوڑی ہے اور آپ لوگ اسے بڈھے کے حوالے۔ خیر بھائی جی! میں ان کے لیے چائے لاتی ہوں' مٹھائی تو ہوگی گھر میں۔"

وہ اندر جانے لگیں تو افضل نے روکا۔ "ابھی چائے پی کر آئے ہیں اور مٹھائی کی گنجائش نہیں۔"

"بس جمیلہ بھابھی! آپ تو کسی طرح بسمہ کو کمرے سے باہر لے آئیں۔"

عمر نے جمیلہ بھابھی سے منت کی۔ پتا نہیں کیسے۔ مگر بھابھی آگئیں۔ تیوری پر بل لیے' منہ سجائے' پروا نے کھڑے ہو کر سلام کیا مگر وہ بغیر جواب دیے کنی کترا کر کونے میں جا بیٹھیں اور دور سے ہی انہیں گھورنے لگیں۔ جمیلہ بھابھی کی کمنٹری بغیر توقف کے جاری رہی۔

"اے بھابھی! دیکھنا کیا بہار دار ساڑھی ہے پروا کی اور سج بھی رہی ہے اس پر۔ اور یہ سیٹ دکھانا۔ ہوں۔ زمرد کا ہے نا۔ منہ دکھائی میں دیا ہوگا دولہا نے' اری ایسی اچانک شادی میں یہ سیٹ بھی دے دیا۔ خاصا قیمتی ہے۔ پیسے والا لگتا ہے۔"

بسمہ کی طرف مڑ کر پھر شروع ہو گئیں۔

"نیلم کو بری میں چڑھایا تھا خالہ نے' پچاس ہزار کا تھا۔ یہ تو خاصا بھاری ہے' ساڑھی بھی بہت خوبصورت ہے' اری پروا۔ ذرا گھومو تو ابھی آئی۔" کہہ کر چھپاک سے وہ باہر نکل گئیں۔

پروا نے صحن پر نظر ڈالی۔ رات کی تقریب کے آثار جوں کے توں موجود تھے' جگہ جگہ بکھرے ہوئے چاول'

ہڈیاں، بوٹیاں، روٹی کے ٹکڑے بکھرے تھے اور مکھیاں ضیافت اڑا رہی تھیں۔ پورا دن گزر گیا۔ بھابھی نے صفائی تک نہیں کرائی۔ شکر ہے افضل آر ہے ہیں، انہیں صحن نظر نہیں آئے گا۔ بھابھی کو یوں بھی صفائی سے لگاؤ نہ تھا۔ وہ کتنا صاف رکھتی تھی آنگن بھابھی تو اپنی ناکامی کا سوگ منا رہی ہوں گی۔ انہیں گندگی کا خیال تک نہ ہوگا۔ افضل اور عمر بھائی بے تکلفی سے محو گفتگو تھے، افضل نے کسی بات پر قہقہہ لگا کر پروا کو دیکھا۔ نظر نیچی کیے وہ ہاتھ کی لکیروں کا معائنہ کر رہی تھی۔ (خاصی حسین لگ رہی ہیں محترمہ)

لپک جھپک جمیلہ بھابھی آئیں۔ توے میں انگارے لیے مرچوں کی دھونی دیتی ہوئی، پروا اور افضل پر سے وار کر توا باہر صحن میں رکھ آئیں۔

”ہاں بھئی۔ نظر اتار دی ہے میں نے تو۔ نظر لگتے دیر نہیں لگتی۔ میری بھی لگ سکتی ہے۔ ماشاءاللہ دولہا خوش تو ہے؟ کیوں نہ ہو آخر ایسی سونا چاندی جیسی دلہن مفت میں مل گئی ہے۔ بھاگ لگے۔ اری پروا۔“ انہوں نے اچانک آواز دھیمی کر کے سرگوشی میں پوچھا۔ مگر ایسے کہ بھابھی بخوبی سن لیں۔

”شکرانے کے نفل بھی پڑھے تو نے؟ ارے اس بڈھے، نشے باز سے چھٹکارا جو مل گیا اور کیسا گبھرو دولہا ملا؟ اس؟ نصیبوں کی بات ہے، پر ہمیں دعائیں دو ”اچھا دیکھو اب شکر ادا کرتی رہنا اور دولہا کو ہمیشہ خوش رکھنا“ اس کے اشارے کو حکم سمجھنا۔ اسی میں عاقبت سنورے گی، سنا خدمت کرنا خوب۔ اس کی خوشی کو اپنی سعادت جان لینا۔ ارے جتنا شکر کرے گی، اتنی ہی خوشی ملے گی۔“

بھابھی کی گھوری تھی شعلہ برساتی نگاہیں، پروا ڈر گئی۔

”اری رات مزا آگیا۔ جب تیری بھابھی اس بڈھے کو لائیں۔ سچی وہ تو قبر کا مردہ لگ رہا تھا۔ یوں جھوم رہا تھا جیسے ڈانس کر رہا ہو ... منہ اس کا۔“

”چلیں ...“ افضل نے مڑ کر پروا سے کہا۔ وہ فوراً کھڑی ہوگئی۔ لش لش کرتی گہرے سبز رنگ کی ساڑھی میں اس کا نوخیز بدن اور روپ چمک رہا تھا۔

بھابھی نے شرما حضوری کہا۔

”آج تو پروا کو یہیں ٹھہرنا ہے، یہی قاعدہ ہے زمانے کا۔“

جمیلہ بھابھی چمک کر بولیں۔ ”ہو۔ اس کے گھر میں کون بیٹھا ہے، ساس نہ نند، پھر کون طریقے قاعدے دیکھنے والا ہے، نہیں پروا! تم جاؤ۔ اللہ تمہیں آباد رکھے۔“ انہوں نے آنکھ کے اشارے سے بھی منع کیا۔

بھابھی کب تک خوش اخلاقی کا نقاب اوڑھے رہتیں۔ بڑبڑ کرتی چلی گئیں۔

عمر بھائی نے کہا۔ ”آج میری طرف سے ڈنر ہوگا۔ چلو پروا! تمہاری پسند کا چائنیز چلے گا۔“

پروا نے ہچکچا کر کہا۔ ”بھابھی کو بھی ...“

”چھوڑو اسے۔“ جمیلہ بھابھی نے بات پوری نہ ہونے دی۔ ہاتھ لہرا کر بولے گئیں۔ ”وہ تو جل جل کر کوئلہ ہو رہی ہے، تجھے دیکھ دیکھ کے، ہائے ماشاءاللہ۔ تو بھی تو حد ہے، اتنی سج رہی ہے کہ بس ماشاءاللہ، تیری بھابھی کے تو سارے منصوبے دھرے رہ گئے، وہ بڈھا بھی روتا ہوا واپس گیا۔“

جمیلہ بھابھی ان لوگوں میں تھیں، جن کے دل اور زبان ساتھ ساتھ بولتے تھے، انہیں یہ لحاظ نہ تھا کہ کوئی برا نہ مان جائے اور پھر ان ہی نے صدف کو پوری بات بتائی تھی۔ وہ پروا پر اپنا حق نہ جتاتیں؟

واپسی میں عمر بھائی کو گھر چھوڑتے ہوئے اپنے گھر کی سمت سفر شروع ہوا تو پروا کے دل پر ہلکی سی تھپکیں لگیں۔ کیا تھا اگر وہ ایک رات رک جاتی، عمر بھائی نے کہا ہی نہیں۔

”یہ خاتون تو خاصی دلچسپ تھیں۔ ان سے دوستی گانٹھی جائے، بڑے کر آتے ہیں انہیں۔ کیا خیال ہے ان کی ہدایتوں نصیحتوں پر عمل کرنا ہے؟ اگر میں کچھ کہوں کچھ چاہوں؟ ان کی نصیحت کے مطابق مانو گی؟“

افضل نے مسکرا کر انگلی اٹھائی، جیسے جمیلہ بھابھی سامنے بیٹھی ہوں، پروا گردن جھکائے بیٹھی رہی۔ گھر

آ گیا تھا۔ وہ اتر کر پہلے اندر گئی اور اپنے کمرے میں بند ہوگئی، کپڑے بدل کر ساڑھی کی تہہ لگا رہی تھی تو وہ اپنے کپڑے لینے آگیا۔ صدف کے بھیجے فیروزی سوٹ میں خاصی کم عمر لگ رہی تھی۔ آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

”واہ صدف تو پہنچی ہوئی چیز ہے کیا صحیح اندازہ ہے اس کا۔“

وہ سیٹی بجانے لگا۔ وہ شرما گئی اور پلنگ پر بیٹھ گئی، دوپٹہ دور رکھا تھا۔

”ویسے تم چھپنے والی چیز تو نہیں ہو، البتہ چھپانے والی کہہ سکتے ہیں دل میں، دروازہ بند کر لو، نیت خراب ہوتے دیر نہیں لگتی۔“

وہ سیٹی بجاتا اپنے کپڑے لے کر باہر چلا گیا۔ پروا دم سادھے بیٹھی رہ گئی۔

عجب اتفاق ہے کہ صبح وہ ناشتہ کر رہے تھے تب ہی دو خواتین اندر آگئیں۔ افضل نے کھڑے ہو کر بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا۔ پھر عمر رسیدہ خاتون کی سوالیہ معترض نگاہوں کے جواب میں کہا۔

”خالہ جی! یہ میری وہ ہے اور یہ میری خالہ ہیں۔ یہ زہرہ ہے خالہ کی بیٹی۔“ وہ خود ہی بول رہا تھا۔ کسی سے مخاطب نہ تھا۔

خالہ نے آنکھیں میچ کر پروا کو دیکھا۔ ”ایں؟ کیا کہا؟ کون ہے؟“

”آپ کی بہو، خالہ! آئیے ناشتا کریں۔ بڑے مزے کے پراٹھے بناتی ہے آپ کی بہو۔“

”ہائیں شادی کب ہوئی۔ مجھے تو خبر تک نہ ہوئی۔ اکیلے اکیلے شادی کر لی؟ ارے کوئی گواہ بھی ہے؟“ وہ تیکھے انداز میں گھورے جا رہی تھیں۔

”بس خالہ! مجبوراً کرلی، دیکھیں نا۔ اماں کو بھی خبر نہ ہو سکی۔ جلدی تھی۔ ایمرجنسی جانتی ہیں آپ۔ کسی کو بلانے کا دھیان ہی نہ آیا۔ آئیے بیٹھیے ناں۔ زہرہ کھڑی کیوں ہو ناشتا کرو نا۔ تمہاری بھابھی نے مزیدار پراٹھے بنائے ہیں۔“

زہرا نے منہ موڑ کر بدبدائی، پھر دونوں ماں بیٹی چلی گئیں۔ افضل فکر مند ہوگیا۔

”یہ سلسلہ تو غلط ہوگیا۔ اب یہ اماں کے پاس جائیں گی اور اماں؟ میری اور بہت سی خطاؤں میں، یہ جرم بے گناہی بھی ان کی خفگی کا سبب بنے گا۔ اوہ صدف صدف۔“

وہ سر تھامے کھڑا رہا۔ اس سے ناشتا بھی نہ ہوا۔ پھر کمرے میں جا کر کھٹر پٹر کرتا رہا۔ واپس آکر بولا۔

”محترمہ! تیاری کرلیں۔ چلتے ہیں امی حضور کی عدالت میں، گاؤں کی سیر بھی کچھ بری نہیں ہوگی۔ نہ سہی کاغان، سوات، مری۔ جیسی ہماری شادی ہوئی ہے ویسا ہی ہنی مون ہوگا۔ اماں کے ہاتھوں درگت بنا کیا قسمت ہے۔ ابھی تک اماں کے ہاتھوں مار کھاتا ہوں۔ سچ۔“

”آپ چائے تو پی لیں۔“ پروا سے رہا نہ گیا۔ اور افضل نے شاید اس کا دل رکھنے کو دو گھونٹ چائے پی لی۔

گاؤں کا سفر خاصا دلچسپ رہا۔ وہ مسلسل مزاحیہ انداز میں اسے قصے سناتا رہا لیکن ایک بار بھی اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔ منگنی نہ منگیتر شاید بھول گیا تھا۔ البتہ اپنے اپنی ماں کے واقعات۔

”اماں میری شادی ابا کی بھتیجی سے کرنا چاہتی ہیں۔ میری بہنیں مجھے اپنی نندوں سے چپکانا اپنا فرض سمجھتی ہیں۔ اوہ سب کے ارادوں پر اوس گرے گی۔ واہ۔ صدف۔ جب انہیں علم ہوگا کہ صدف نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے تو۔ مہربانی کر کے تم تو کسی طرح اماں کو راضی کر لینا۔ وہ تم سے خوش ہو جائیں۔ بس پھر مجھے بھی معافی مل جائے گی۔“

کھیتوں کے فوراً بعد افضل کا گھر تھا۔ کچی سڑک پر دھول اڑاتی کار جب گھر کے سامنے رکی تو گاؤں کا کوئی بچہ وہاں نہ تھا۔ وجہ یہ کہ یہ گھر اصل آبادی سے خاصا ہٹ کے تھا۔ ہارن کے جواب میں بڑے میاں آئے، کمان جیسی کمر، سفید جھک بال۔

”بابا۔ اماں کا مزاج کیسا ہے؟“

”ابھی تک تو ٹھیک تھا۔ پر یہ تیرے ہارن نے گڑبڑ کر دی۔“

"کیوں خیر ہے؟ چتلی کے کتے بھوری کی بچھیا یا کالی مرغی کے چوزوں کو میرے ہارن نے ڈسٹرب کر دیا کیا؟ اچھا وہ بکری بھری ہو گئی ہو گی۔"

"چل چل۔ باتیں نہ بنا۔ اندر جا۔ اور یہ کس کو لے آیا ہے؟ صدف بی بی۔"

"نا۔ نہیں بابا۔ چلو تم اندر چلو۔"

پروا کا بازو پکڑ کر وہ گھر کے اندر لے آیا۔ یہاں استقبال کے کوئی آثار نہ تھے۔ اماں بوری سے چاول نکال کر صاف کر رہی تھیں۔ ملازمائیں ان میں نمک ہلدی لگا کر ڈرم میں ڈال رہی تھیں۔ کچے صحن میں کہیں کوئی تنکا نہ تھا۔ وہ ڈرے ڈرے دبے قدموں سے بڑھ رہا تھا۔

پروا کی جان نکلی جا رہی تھی۔ یہ ایک اور امتحان۔ بڑی بی اسے ریجیکٹ نہ کر دیں؟

"اماں! میں آگیا۔ السلام علیکم!"

ایک ثانیے کو تو یوں لگا جیسے بڑی بی تھرا گئی ہیں۔ اٹھنے کو ہوئیں، پھر ارادہ ملتوی کر کے بیٹھی رہ گئیں۔ نظریں چاول کے تھال پر، پتھر کی جگہ چاول اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگیں۔ اندر سے یقیناً کچھ اور تھیں۔ ظاہر میں سخت گیر۔ وہ برآمدے میں گھس کر ان سے لپٹ گیا۔

"اماں۔ اماں! میں آگیا ہوں۔"

انہوں نے چاول کا تھال زمین پر رکھ دیا اور رسمی طور پر کمر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اماں! یہ آپ کی بہو بھی آئی ہے۔" کہتے ہوئے دانتوں میں زبان دبالی۔ "بس اب اسے اپنے پاس ہی رکھ لیں۔ اسے اپنا جیسا بنا دیں۔ بہت لڑاکا ہے، میرا گزر نہیں ہو گا۔ اس لیے لے آیا ہوں۔ ذرا سی تربیت۔"

"چل ہٹ، چپ رہ۔ مجھے دیکھنے تو دے۔" حیرت انگیز طور پر اماں نے کسی ناراضی کا اظہار نہیں کیا۔ اور بیٹے کو دھکا دے کر ہٹا دیا۔ پروا زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ اماں نے اس کا چہرہ اپنی ہتھیلیوں میں رکھ لیا اور غور سے دیکھا۔ پھر بیٹے کی سمت دیکھا۔

"کب ہوئی شادی؟"

"دو تین دن ہوئے، بس تین دن۔"

"سچ بتا۔ کہاں سے لایا ہے؟" سخت بدگمان خاتون تھیں۔

"نکاح نامہ لائی ہو کہ بھول گئیں؟" وہ سختی سے بولا۔

"نکاح نامے بھی جعلی بننے لگے ہیں اب۔ سب جانتی ہوں میں۔ کوئی گواہ بھی ہے؟ ہے سوہنی دو ہٹی۔"

اماں نے پروا کو چھوڑ دیا۔

"اماں! گواہ بہت ہیں۔ صدف نے خود پسند کر کے میری شادی کی تھی۔ سچ اماں۔"

"اچھا چپ کر، تین دن میں بہو نے کتنی لڑائی لڑی ہو گی۔ جو کہتا ہے لڑاکا ہے۔ ایں؟"

اماں سوچ میں ڈوب گئیں، پروا چاول کا تھال اٹھا کر چھننے لگی، ماں بیٹے میں دوری تھی پر کیسی؟ اماں کے انداز میں تپاک نہ تھا۔ جوش نہ تھا مگر شادی پر خفا بھی نہ تھیں۔ بدگمان تھیں۔ اماں کو سمجھنے میں کچھ وقت لگے گا۔

"اچھا۔ اماں! اب میں چلتا ہوں۔ سنبھال لو بہو کو۔"

"چل۔ جا کر منہ ہاتھ دھو۔ دھول میں اٹا ہوا ہے، کمرے میں جا کر لیٹ جا۔ آیا وہاں سے لاٹ صاحب کا بچہ۔ ابھی شبراتن کھانا لاتی ہے، سونا۔ سونا شبراتن سے کہو، تندور گرم کرے۔"

"اماں! آپ کی بہو روٹی بہت کھاتی ہے، شبراتن سے کہو، چار بندوں کی روٹی پکائے۔"

کہتا ہوا وہ مسکراتا ہوا کہیں چلا گیا۔ اماں نے پروا سے تھال لے کر زمین پر رکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر پلنگ پر لے گئیں اور لگیں گھورنے۔

"لگتی تو خاندانی ہے۔" سر ہلا کر فیصلہ کیا۔

انہیں پروا کے سر پر جما ہوا دوپٹہ، نیچی نظریں، جھکا ہوا سر۔ پسند آیا تھا۔ خاندانی ہونے کی یہی دلیل ہے کہ عورت شرم و حیا سے رہے، کھانے کے علاوہ پھر افضل سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اسے واپس جانے کی جلدی

تھی۔ اور اماں پروا کو جانچنے والی نظروں سے دیکھے جارہی تھیں' جب اس کی چاپ دوسری طرف گئی تو اماں گردن موڑ کر ادھر دیکھنے لگیں' سرد مہری سے رخصت کیا تھا۔ کوئی جوش نہیں' دعا نہیں۔ شاید دل میں دی ہو دعا۔ پھوپھو تو اپنے سب بیٹوں پر آیت الکرسی بھی دم کرتی تھیں اور دعائیں بھی دیتی تھیں۔ کار اسٹارٹ ہو کر دور چلی گئی۔ تب اماں نے لمبا سانس کھینچا۔ شاید آہ بھری۔ پھر پروا کو لپٹا لیا۔ چوما' پیار کیا۔ بار بار صدقے ہونے کا اعلان کیا اور نظر اتاری پھر۔

"شیراتن بہو سوہنی ہے نا۔ اچھی ہے۔ اری ایسی تو پورے گاؤں میں نہ ہو گی' ہے نا؟ ملوک ہے' کوئی تو اچھا کام کیا میرے بیٹے نے۔"

ان کی ساری گرم جوشی پروا کے لیے تھی۔ یا اس کے توسط سے افضل کے لیے بھی۔ شاید افضل کی کوئی خطا' کوئی فروگزاشت انہیں ناگوار گزری۔ وہ دل کی آواز کو دبانے میں کامیاب رہیں۔ اور محبت کے جہان کو سرد مہری کے سپرد کر دیا۔ افضل نے اسے یہ تو بتایا ہی تھا کہ گاؤں میں کتنے عرصہ رہے گی پھر بھی مطمئن نہ تھی۔ یہ نئی دنیا تھی پھوپھو کے قصباتی ماحول سے الگ۔ افضل بے حد سادہ اور پراسرار۔ صدف کون تھی۔ افضل سے اس کا کیا ناتا تھا۔ یہ معلوم نہ ہوا۔ شیراتن اور سوتا۔ دن رات گھر میں رہنے والی ملازمائیں تھیں مگر صدف کا نام آتے ہی بہانا بنا کر ادھر ادھر ہو جاتیں۔

یقیناً" افضل سے ناراضی صدف کی وجہ سے ہو گی۔ اماں کو صدف پسند نہ ہو گی۔ وہ اپنی پسند کی بہو چاہتی ہوں گی۔ جہاز میں اڑنے والی۔ نوکری کرنے والی لڑکی جس کے بال بھی کٹے ہوئے تھے' دیہاتی اماں کو کیسے پسند آتی۔ لیکن تصدیق کہیں سے نہ ہوئی۔ البتہ انہوں نے پروا کو قبول کر لیا تھا بغیر کسی اعتراض کے۔ اماں نے اسے بہت سے کپڑے بھی [illegible] کچھ سلے' کچھ بے سلے۔ پروا کو سلائی کرتے [illegible] دیہاتی عورتیں انگشت بدنداں تھیں' جو عین [illegible] پڑے [illegible] اماں [illegible]
"دیکھو' دیکھو' یہ میری بہو نے خود اپنے ہاتھوں سے

پیے ہیں۔"

وہ کچھ پکاتی' تو اماں نہال ہو جاتیں۔ وہ بہت صفائی پسند تھیں۔ گھر میں کہیں کوئی بلا ضرورت چیز نہ تھی' مرغیوں' بکریوں' گائے' بھینس کا باڑہ الگ تھا۔ اس کی صفائی بھی اپنے سامنے کروائی تھیں۔ گھر میں مرد تو صرف بابا تھے' افضل کے باپ کے زمانے سے تھے۔ پہلے زمینوں کی دیکھ بھال کرتے تھے' اب گھر کی۔ افضل کی شادی شدہ بہنیں مسقط اور ریاض میں تھیں۔

اماں ہر تیسرے دن بابا سے خط لکھواتیں' جو بہو کے کارناموں سے پر ہوتا۔ بہو بہت لائق فائق تھی۔ انجینئر' مستری' سب کچھ' بجلی کا کام بھی جانتی ہے' فیوز جوڑ لیتی ہے' استری کا پلگ لگا لیتی ہے' کہیں سے تار کٹ جائے تو اس کی ٹیپ کر کے کام کا بنا دیتی ہے' گاؤں کے لوگ اپنے ٹوٹے پلگ لیے آجاتے ہیں۔ بڑی سوہنی ہے۔ (یہ ٹیپ کا مصرع ہوتا)

* * *

اس دن اس نے خواب میں جنید کو دیکھا پھر جنید دن بھر اس کا دل بوجھل رہا۔ پھوپھو حج سے واپسی پر عمر بھائی کے پاس آئی تو ہوں گی۔ کیا سنا کیا کہا ہو گا۔ وہ کتنی بے خبر تھی۔ افضل نے بھی خبر نہ لی۔ شاید عمر بھائی سے اس کا رابطہ ہوا ہو مگر وہ پھوپھو کے بارے میں تو کچھ نہیں بتائیں گے۔

ہلکی ہلکی دھوپ میں خوشگوار حرارت تھی۔ وہ پلنگ لیٹی تو غنودگی سی طاری ہو گئی۔ اسی عالم میں کسی کار کے انجن کی ہلکی سی آواز۔ پھر قدموں کی چاپ اور السلام علیکم تو عین اس کے سر پر ہی داغا گیا۔ دعائے رحمت۔ وہ چونک کر اٹھ گئی۔ جنید نہ جنید' افضل شاید افضل ہی تھا۔ اس نے خود کو سانس کی اوٹ میں چھپا لیا۔ اتنے دن بعد ہچکچاہٹ تو ہوتی ہے۔

اماں ساگ بنا رہی تھیں۔ اسی طرح کام میں لگی رہیں۔ افضل نے ایک بنڈل اس کی جانب پھینک دیا۔

"اچھا اماں! اب چلتا ہوں۔ ذرا جلدی میں ہوں۔ ادھر سے گزر رہا تھا۔ تو آپ کی خیریت لینے آگیا۔ اب چلتا ہوں۔" وہ بے چینی سے داہنے ہاتھ کا انگوٹھا کھجا رہا تھا۔

اماں خفگی سے گویا ہوئیں۔ "اچھا؟ کدھر سے گزر رہا تھا میرا بچہ؟"

"یہیں گئے سلیمان گڑھ آیا تھا تو دفتر کا کام تھا۔"

"سلیمان گڑھ۔ ساٹھ کوس پرے' اچھا بچے! جو کہتے ہو' وہی سچ ہو گا۔ پر یہ کہنے میں بھی کوئی حرج نہ تھا۔ کہ بیوی کی خاطر آئے ہو۔ اچھا۔ دیکھ لی شکل؟ چل اب لمبا بن۔" اماں سخت غصے میں تھیں۔

افضل نے جھک کر ماں کے گھٹنے پکڑ لیے۔ "سچ کہتا ہوں اماں! صرف آپ کی خاطر آیا ہوں۔"

"پہلے تو اتنے پھیرے نہیں لگاتا تھا۔ اتنی جلدی اب آیا ہے تو چل۔ جو کام پہلے کرتا تھا۔ وہی کر۔ مانگ معافیاں۔ اسی کے لیے آتا تھا نا۔ اچھا چل کمرے میں جا کر بیٹھ۔ یہ کیا لایا ہے؟"

"یہ لفافے پیڈ وغیرہ ہیں' اپنے والوں کو لکھنا چاہیں تو لکھ دیں گی۔ یہاں لفافے کہاں ملتے ہیں۔ اس خیال سے۔ اچھا اماں! اب میں چلتا ہوں' پھر آؤں گا۔"

پروا جیسی بیٹھی تھی' بیٹھی رہی۔ انگلی میں انگوٹھی چمک رہی تھی۔ افضل ست قدم اٹھاتا صحن پار کر رہا تھا۔ شاید اس امید میں کہ پروا اسے خدا حافظ کہنے ہی آئے گی۔ مگر وہ [illegible] بیٹھی رہی۔ بعد میں بہت افسوس ہوا۔ اخلاقاً" بات ہی کر لیتی۔ شاید کچھ دیر ٹھہر جاتا۔

اماں بھی خاصی اداس ہو گئی تھیں مگر خاموش تھیں۔ لاتعلق۔ بنڈل میں پیڈ تھے اور لفافے' پاکستان ڈاک کے' سعودی عرب کے لیے' امریکہ کے لیے' امریکہ کے لیے کیوں؟ دھک سے رہ گئی۔ انہیں کیسے خبر ہوئی کہ۔۔۔

رات کو پیڈ نکالا مگر کچھ لکھا نہیں گیا' کسے لکھے' پھوپھو کو' ناظمہ کو' یا۔ ہاتھ کانپنے لگے۔ اپنی مجبوری بے بسی کی داستان۔ اپنی ہتک اور شکست کا دکھڑا۔ کیا مدد مانگے۔ "کیسی مدد؟ اپنی سسرال میں بیٹھ کر۔ کیا دکھ ہے یہاں؟ کس کی شکایت کرے اور وہ اس کی مدد' مدد بھی کیوں کریں گے' جب شادی کر لی تھی۔ رخصتی ہو گئی پھر کس بات کا یقین دلائے' کتنا مشکل کام ہے یقین دلانا۔ کھڑکی سے پرے۔ تاحد نگاہ کھیت' ہریالی' خوشحالی اور پکے پھلوں کی مہک۔ کیا یہ امید ہے؟

"اب سو جا بہو! کیا کر رہی ہے۔ آرام کر لے آ میرے پاس۔ آجا۔"

اماں دوسرے کمرے سے اسے پکار رہی تھیں۔ لفافے' پیڈ وہیں رکھ کر وہ اماں کے پاس چلی گئی۔ رات' سناٹا اور جھینگروں کی آوازیں۔ کہیں کوئی پرندہ چیخا۔ کیا یہ امید ہے؟"

"بہو! ایک بات پوچھوں؟"

"جی اماں!"

"آج تک میں نے سوال نہیں کیا بیٹی! آج عجیب لگ رہا ہے' کیسے پوچھوں؟ افضل سے لڑ کر آئی تھی کیا؟ افضل نے کہا تھا یہ لڑاکا ہے' میرا گزر نہیں ہو گا۔ کیوں دو تین دن کی شادی میں۔ ایسی کیا بات ہو گئی؟ آج بھی وہ آیا تیری خاطر اور چپ چاپ چلا گیا۔ دکھی نظر آرہا تھا۔ پوچھ نہ سکی۔ تو نے بھی نہیں پوچھا۔ میں نے تو سارے حق خود سے چھین لیے ہیں۔"

اماں نے آہ بھری۔ پروا تکیے میں منہ گھسائے پڑی رہی۔

"اچھا جو اس کی قسمت' اکیلا رہ گیا میرا بچہ۔"

اماں نے سرد آہ بھر کر تکیہ سینے سے لگا لیا۔ ان کی سسکی کی آواز آئی تھی۔ ماں بے آواز رو رہی تھی۔ پروا کو پہلی بار اماں اور افضل کے تعلقات میں گداز نظر آیا۔ ماں کی مامتا بے چین تھی' پروا کی وجہ سے۔

اسے جسم میں جھرجھری سی محسوس ہوئی اور وہ اٹھ کر اماں سے لپٹ گئی۔ دبلی پتلی کانچ سی اماں مامتا سے لبالب بھری ہوئی تھیں۔ انہوں نے پروا کو' اپنے اکلوتے بیٹے کی بیوی کو سینے سے لگا لیا۔

"وہ بہت نرم دل ہے۔ ہمدرد اور خیر خواہ' دیکھ بہو! کبھی ایسی لڑائی نہ کرنا' جو دل کو جا کر لگے' مرد کو اپنی عزت بہت عزیز ہوتی ہے' اپنی عورت سے زیادہ۔

"تو پاپا تمہارے لیے نہیں لاتے؟ تم مانگ لیا کرو نا۔"

صدف نے بے دھڑک کہا اسی وقت پروا نے جھرجھری سی لی۔ کپکپانے لگی۔ صدف اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"کیا ہوا پروا؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" صدف فکرمند ہوگئی کہ کہیں اسے لو نہ لگ گئی ہو۔ بھابھی ناگواری سے گھورنے لگیں۔ وہ جھینپ گئی۔

"دراصل جب بہت گرمی لگتی ہے نا۔ تو میں تصور کرتی ہوں کہ شدید سردی ہے اور میں سردی سے کانپ رہی ہوں۔ تو اس طرح گرمی سے کچھ نجات مل جاتی ہے۔"

وہ شرما کر مسکرا دی۔ صدف دلچسپی سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

"اور سردی میں؟"

"سردی میں سوچتی ہوں کہ شدید گرمی لگ رہی ہے تو پسینہ آجاتا ہے۔" وہ پھر جھینپ گئی۔

صدف مسکراتے ہوئے سوچتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ معصوم اور کمزور سی لڑکی۔ بادامی آنکھوں میں قناعت کی چمک۔ صبر و شکر کا نمونہ۔ گرم ہوا نے اس کے سنہری چہرے پر سرخی سی دوڑا دی تھی۔ صدف کو اپنی دوست بسمہ کی یہ نند اس وقت بے حد پیاری لگی۔ تحائف خرید کر پیک کرا لیے گئے۔ واپس آتے ہوئے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے صدف نے مڑ کر پروا سے کہا۔

"واقعی پروا! بڑا عجیب تجربہ ہے۔ ابھی اس تنور جیسی گرم گاڑی میں بیٹھے ہوئے میں نے خود کو ایک آتش دان کے سامنے بیٹھے اور سردی سے کانپنے کا تصور کیا تو واقعی جھرجھری آگئی۔ سردی لگنے لگی۔"

پروا ہنس پڑی۔ بھابھی نے مڑ کر اسے گھورا۔

"اب سردی میں بھی تجربہ کر لیں۔" بسمہ۔ "تم اپنی نند کے تجربوں سے فائدہ نہیں اٹھاتیں؟" صدف نے بسمہ کی طرف دیکھا۔ وہ منہ موڑ کر بڑبڑانے لگیں۔

گھر آتے ہی پروا نے جلدی سے شربت بنا کر دونوں کو پیش کیا۔ صدف نے ہنس کر کہا۔

"ارے اتنی سخت سردی میں برف کا شربت؟" اور اس نے جھرجھری سی لی۔

"اچھا تو میں چائے بناتی ہوں۔" پروا بھی مسکرائی۔

"نہیں۔ تمہیں زحمت ہوگی۔ میں چلتی ہوں۔ ذرا آرام کر لوں۔ رات میری فلائٹ ہے۔"

صدف کے جانے کے بعد۔ شام ہونے تک بھابھی نے اسے سینکڑوں باتیں سنا ڈالیں۔ دراصل غصہ انہیں صدف پر آ رہا تھا کہ وہ پروا سے کیوں بے تکلفی برت رہی تھی اور ان کے حسرت آمیز کلمات پر نہ تو اس نے وہ ڈیکوریشن پیس ہی ازراہ مہربانی انہیں لے کر دیا نہ وہ چمکتا ہوا گلدان۔ جبکہ اس سے پہلے تو کئی دوست ان پر۔ ان کی حسرت ناک زندگی پر ترس کھا کر کوئی نہ کوئی خوبصورت چیز تحفے کے نام پر لے دیتی تھیں۔ جو وہ ہزاروں اصرار کے بعد "تکلفاً" محض دوستی کی خاطر۔ خلوص اور پاکیزہ جذبے کی قدر دانی کے طور پر لے لیتی تھیں۔ ورنہ ان کا مقصد تو یہ نہ تھا۔ مگر صدف نے کوئی فالتو چیز نہ لی۔ آخر وہ ایئر ہوسٹس تھی۔ خاصی شان سے رہتی تھی۔ اکیلی اور خود مختار۔ اس کی کمائی بھی بہت تھی۔ خیر امید پہ دنیا قائم ہے کے مصداق اب وہ اس کے بیرون ملک دورے پر آس لگا بیٹھیں۔ باہر سے شاید کچھ لے آئے۔ شام کو عمر بھائی آئے تو بھابھی نے انہیں پروا کی حماقت کا حال سنایا۔

"اس قدر بولتی ہے تمہاری بہن۔ کیا ضرورت تھی اس کے سامنے اپنا فقیرانہ تجربہ بیان کرنے کی۔ اتنی شرمندگی ہوئی مجھے کہ بس۔ اسے کیا ضرورت کہ یہ تجربے کرے۔ گرمی لگے گی تو اے سی میں بیٹھے گی۔ سردی ہوگی تو ہیٹر جلا لے گی۔ کیا سوچتی ہوگی وہ میرے بارے میں کہ کس گھٹیا نچلے درجے کے خاندان میں شادی ہوئی ہے میری۔ جو گھر میں کولر تک نہیں لگا سکتے۔ یا میں پروا کو دانستہ گرمی میں رکھتی ہوں۔ ایک پرانا کولر لگا ہے میرے کمرے میں۔ اے سی تھے ہمارے گھر میں۔ کبھی میں نے فرمائش کی کہ مجھے اے سی چاہیے مگر یہ۔ ہر جگہ مجھے ذلیل کرتی ہے۔" وہ رونے لگیں۔

پروا ہکا بکا ان کا منہ دیکھتی رہ گئی۔ بات کو کہیں سے کہیں پہنچانا بھابھی کا کمال تھا۔ عمر بھائی نے بھی غور کیے بغیر مڑ کر پروا کو ہی ڈانٹا۔

"کیوں بکواس کرتی ہو تم۔ تمہیں کیا ضرورت تھی ان کے ساتھ جانے کی۔"

پروا بھابھی سے زیادہ بھائی کی بات پر حیران ہوئی۔ وہ جانتے تھے کہ نہ تو پروا کو بکواس کرنے کی عادت تھی۔ نہ سیر و تفریح کی وہ شائق تھی۔ پھر بھی بیوی کی دل جوئی کے لیے خفگی کا اظہار کر رہے تھے۔

ڈبڈبائی آنکھیں جھکا کر اس نے چپکے سے کہا۔

"اب نہیں جاؤں گی۔" اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

بھائی کو معلوم تھا۔ وہ دوسرے کمرے میں جا کر روئے گی اور بھڑاس نکالے گی مگر وہ اس کے پیچھے نہ آیا اور بیوی کی ہی دل جوئی کرتا رہا۔

"اچھا۔ اچھا ڈانٹ تو دیا ہے میں نے اسے۔ ذرا کم عقل ہے۔"

"کم عقل؟" بھابھی چیخیں۔ "اس کی چالاکی آپ کو پتا نہیں نا۔ بنتی ہے۔ میسنی ہے پوری۔"

بھابھی اس کی چالاکی کے من گھڑت قصے سناتی رہیں۔ وہ اپنے پلنگ پر بیٹھی سوچتی رہی۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ لوگ بدل جاتے ہیں؟ یہ وہی بھائی تو ہے۔ جس کے ساتھ بچپن سے جوانی تک کا اکٹھے سفر کیا تھا۔ وہ کتنے نخرے کرتی تھی اور بھائی اس کے ناز اٹھاتا تھا۔ کس طرح اس کے پیچھے پیچھے پھرتا تھا۔ اسے اداس دیکھ کر کیسے مضطرب ہو جاتا۔ وہ خفا ہوتی تو دنیا کی نعمتیں اس کے سامنے ڈھیر کر دیتا۔

"لو۔ یہ جارجٹ کا سوٹ تمہاری پسند کا لایا ہوں۔ آخری پیس رہ گیا تھا۔ اچھا لو ادھر۔ یہ دیکھو گلاب جامن لایا ہوں، تازہ ہیں، فٹافٹ کھا لو۔ منہ کھولو، منہ کھولو، ارے ارے شیرا گرا۔"

جب تک وہ اپنے ہاتھ سے گلاب جامن اسے نہ کھلا لیتا، چین نہ آتا۔ اسے گلاب جامن بہت پسند تھی۔ اسی لیے تو اب گھر میں گلاب جامن نہیں۔ برفی آتی تھی۔ بھابھی کی پسند اور اس وقت بھی وہ بھابھی کو برفی کھلانے کے لیے خوشامد کر رہے تھے۔

شام ہوگئی۔ بھائی کو بہن کے چہرے کی آزردگی نظر آئی نہ آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی۔ بلاوجہ اسے ڈانٹا تھا۔ مگر ندامت نہ تھی بلکہ سورج ڈوبتے ہی وہ بھابھی کو سیر کرانے لے گیا کہ بیوی کا مزاج نارمل ہو۔ یہ بھابھی کی عادت تھی۔ "تقریباً" ہر روز کوئی نہ کوئی قضیہ نکال کر بیٹھ جاتیں۔ عمر کے گھر میں گھستے ہی شکایتوں اور خفگی کے پٹارے کھل جاتے پھر شام بلکہ رات تک وہ بھابھی کو منانے میں لگا رہتا۔۔۔ اور کہیں سیر کرانے لے جاتا۔ دوستوں کے گھر، عزیزوں کے ہاں یا بھابھی کے میکے۔ وہ اکیلی گھر میں بیٹھی انتظار کرتی رہتی۔ آج بھی کھانا پکا کر وہ انتظار میں بیٹھی رہی اور وہ رات کو ہوٹل سے کھانا کھا آئے۔ آتے ہی اپنے کمرے میں چلے گئے۔ وہ صحن میں لیٹی تارے تکتی رہی۔

نیلا آسمان کبھی کبھی سیاہ کیوں ہو جاتا ہے۔ چمکتا سورج بھی بادلوں میں آکر دھندلا جاتا ہے۔ چاندنی بھی میلی کبھی اجلی کیوں لگتی ہے۔ زندگی کبھی دلچسپ کبھی روکھی پھیکی ہو جاتی ہے۔ اللہ نے سارے دن ساری راتیں ایک جیسی نہیں بنائیں۔ اسی طرح دنیا کے باسی بھی جب چاہتے بدلتے موسموں کا رنگ اوڑھ لیتے۔ خوش ہیں تو بہار کی رنگینی ہمراہ ہے۔ پھولوں کی طرح کھلے جا رہے ہیں۔ رنجیدہ ہوئے تو ساون کی گھٹاؤں کی ردا اوڑھ لی۔ ایک اشارہ ملا کہ جھما جھم برسنے لگے۔ شکایت ہوئی تو موسم گرما جیسی جھلسنے والی زبان اختیار کر لی۔ یا پھر بیزار ہوئے تو یوں۔ جیسے حبس کا پیراہن پہن لیا۔ یکسانیت اچھی نہیں۔ مگر یہ کیا کہ نہ موسم ایک جیسے نہ حالات۔ رشتے نہ رویے نہ تعلق۔ زمانہ سرپٹ دوڑ رہا ہے۔ کسی بھی انسیت کا لحاظ کیے بغیر۔ اور پھر جب حالات بدلنے کو ہوتے ہیں تو انسان مر جاتے ہیں۔ پھر زندہ لوگ بھی یادداشت گم ہونے کا بہانہ کیے بغیر آنکھیں چراتے ہیں۔ فطرت کیسے بدلتی

عزت بچانے کے لیے محبت عورت' عیش سب قربان کر سکتا ہے مرد اور افضل۔ اس میں ضد بھی ہے' پکا ضدی ہے' ہٹ کا پکا۔"

اماں چپکے چپکے اسے مردوں کی عزت پر قربان ہونے کی داستانیں سنا رہی تھیں۔ وہ سو گئی۔ افضل نے کہا تھا۔ اماں سخت مزاج ہیں' ان کا سینہ گہرا غار ہے۔ جہاں تاریکی کے سوا کچھ نہیں۔ مگر پروا کے ساتھ ان کا سلوک کوئی اور کہانی سناتا۔ بغیر کسی تصدیق کے' کسی ناراضی کے اظہار کے بغیر وہ پروا پر محبتیں لٹا رہی تھیں۔ ممتا سے لبریز مگر اپنی انا کی پختگی سے محافظ' انہوں نے ایک بار بھی افضل سے سرد مہری کے سلوک کی وضاحت نہ کی۔ وجہ بھی نہیں بتائی۔ ادھر صدف بھی ایک سربستہ راز تھی۔ اگر افضل سے معلوم کیا جاتا تو وہ ضرور بتا دیتا۔ شاید کوئی خاص وجہ ہو گی کہ اس نے بھی صدف کے رشتے کی وضاحت نہ کی۔

☆ ☆ ☆

ایک مہینہ اور گزر گیا۔ یوں جیسے صدی گزری ہو بلکہ صدیاں بوجھل بے رنگ۔ عمر بھائی نے کوئی رابطہ رکھا نہ پھوپھو کے ہاں سے کوئی خبر ملی۔ زندگی بڑی کشمکش میں گزر رہی تھی۔ کیا ہو گا؟ اب کیا کروں؟ قسم قسم کے خیالات کی یلغار رہتی۔ موسم بدل رہا تھا اور وہ خزاں زدہ موسم کی طرح اداسی کا نمونہ بنی ہوئی تھی۔ افضل کی آمد کا خوف ہوتا تھا کہ کب وہ اسے اپنے ساتھ لے جانے کا عزم کر لے اور اب اس کے نہ آنے سے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ کہیں وہ بیمار تو نہیں۔ وہاں دیکھ بھال کرنے والا بھی کوئی نہیں۔ صدف ابھی تک نہیں۔ اگر آ گئی ہے تو خیال ہے۔ صدف کون ہے' افضل کی' محبوبہ' دوست؟ یا اس نے اپنی محبت کی قربانی دے کر پروا کو... کون بتاتا۔ یہاں تو افضل کے متعلق بھی کوئی زبان نہ کھولتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے سب نے اسے کچھ نہ بتانے کا عہد کر رکھا ہے اور سوال کی نوعیت کو تبدیل کرنے کے باوجود کوئی بات واضح نہ ہوئی۔

اس دن پہلی بار ڈاک سے اس کے نام ایک موٹا سا لفافہ آیا۔ رجسٹرڈ' وہ کچھ ڈر سی گئی' پھر لفافے کی پشت پر صدف کا نام دیکھ کر حیرت آمیز خوشی بھی ہوئی' اماں نے پوچھا۔

"کس کا خط ہے؟"

صدف کا نام سن کر انہوں نے اس کے ہاتھ سے خط لے لیا۔ پروا ڈری کہ اب یہ خط پھاڑ ڈالیں گی۔ مگر اماں نے خط کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس کو ہونٹوں سے چھوا اور واپس پروا کو دے دیا۔

صدف کے خط سے زیادہ اماں کے طرز عمل نے حیرت زدہ کر دیا۔ اماں کے جانے کے بعد اس نے خط کھولا۔ خاصا طویل تھا۔ اب راز سے پردہ اٹھنے والا ہے۔ شاید وہ اپنی قربانی کا صلہ مانگے۔ ممکن ہے اسے اپنے راستے سے ہٹنے کی قیمت دینے کی پیش کش کرے' یا یہ کہ کچھ لو۔ کچھ دو کے اصول پر سمجھوتا' وہ سمجھوتا۔ کس بنیاد پر ہو گا۔ اماں جی کو اس کے حق میں ہموار کرنے۔ اسے گھر کی بہو تسلیم کرنے یا اپنی باری پر اصرار' زیادہ دیر انتظار نہ ہو سکا۔ ڈرتے ڈرتے پڑھنا شروع کیا۔

خط پر بیجنگ کی مہر تھی۔ یہ خط اس نے چین کے ایک ہوٹل میں بیٹھ کر تحریر کیا تھا۔ وہاں کی کچھ تصویریں بھی تھیں۔ لکھا تھا۔

"پروا! عزیز از جان ہو گئی ہو۔ وقت کم ہے اور باتیں بہت سی۔ اختصار سے شکوک جنم لیں گے۔ اس لیے تفصیلی مواد بھی ہو گا۔ سنا ہے۔ اماں نے تمہیں قبول کر لیا ہے۔ یہ ایک ایسی حیرت انگیز خبر تھی کہ میں رو نہ سکی۔ مبارک ہو یقیناً" اس میں تمہاری معصومیت اور مظلومیت کا دخل ہو گا۔ یا اماں افضل کے لیے نرم گوشہ رکھتی ہیں۔ جس کا اظہار اب ہوا۔ ورنہ افضل کے لیے ان کا رویہ بہت سخت تھا۔ اس نے اماں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ شاید افضل میں کچھ عقل آ گئی ہے اور تمہیں اماں کے پاس چھوڑنے میں یہ مقصد مد نظر رہا ہو گا کہ وہ تمہاری معرفت ہماری

خطائیں بھی معاف کر دیں۔ پیاری پروا۔ وہاں شاید کسی نے میرے بارے میں لب کشائی نہ کی ہو گی۔ میرا نام اس گھر' اس گاؤں کے لیے ایک گالی بن گیا ہے۔

میں تمہیں بتاؤں گی کہ کس طرح۔ جس طرح ہر کہانی ایک مرکز کے گرد گھومتی ہے۔ اسی طرح میری کہانی ضد کے گرد۔ میری بربادی کا مرکز۔ میری ضد اماں کی ضد اور افضل کی ضد ہے۔ میں واقعی لائق سزا ہوں۔ مگر افضل نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ پھر بھی میرے ساتھ اسے بھی سزا کاٹنی پڑ رہی ہے۔ کیوں؟

میں نے اماں کی مرضی کے خلاف شہر میں تعلیم حاصل کی اور اپنی ضد اور خودسری کی بدولت اماں کے طے کیے رشتے سے انکار کیا۔ ہاں بھئی۔ ابا کے کوئی بھتیجے ہیں' زمین دار ہیں ان کی بہن کو افضل کے ساتھ اور مجھے زمیندار کے پلے باندھنے کا منصوبہ تھا' جو میں نے اور افضل نے ریجیکٹ کر دیا۔ ناراضی تو ہونی تھی۔

پھر میرا ایئر ہوسٹس بننا بھی اماں کے وقار پر ضرب کے مترادف ہوا۔ اماں کو عورتوں کا مردوں کے ساتھ کام کرنا خاندانی ذلت نظر آتا تھا۔ اماں مجھ سے خفا ہوئیں تو مجھے گھر سے بے دخل کر دیا گیا۔ پھر بھلا افضل کو یہ کیسے گوارا ہوتا کہ میں شہر میں تنہا رہوں' ہم بچپن سے ایک دوسرے پر جان چھڑکنے والے بہن بھائی۔ شاید تمہیں افضل نے بتایا ہو۔ ہم دونوں جڑواں ہیں۔ ہم دونوں کی عادات اور فطرت بھی ملتی جلتی ہے اور جس طرح میں سوچتی ہوں۔ افضل وہی کر گزرتا ہے۔ اماں چاہتی تھیں' میں شہر میں اکیلی رہوں۔ دربدر بھٹکوں تاکہ مجھے اس گھر کی قدر ہو' جو اماں کے نام ہے' جہاں اماں کا سایہ ہے' تحفظ ہے' ہاں مانتی ہوں میں' مگر کیا آج کی دنیا میں عورتیں گھر سے باہر رہ کر کوئی کام نہیں کرتیں؟

افضل نے مجھے سہارا دیا' مدد کی۔ ایک گھر لیا سروس کی۔ اسے سروس کی ضرورت نہ تھی۔ ابا کی اتنی زمینیں تھیں' بہت اچھی گزر بسر ہو رہی تھی لیکن اماں کی ضد نے ہم دونوں کو گھر بدر کر دیا۔ میں نے شادی سے انکار کیا تو افضل نے بھی انکار کر دیا۔ وہ بھی پڑھی لکھی' شریک حیات چاہتا تھا۔

شاید ابھی میں تم کو خط نہ لکھتی مگر امریکہ کے قیام میں مجھے میرا آئیڈیل مل گیا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ جب میں اپنی من مانی کرتی تھی تو مجھے اماں کی ہٹ دھرمی پر بڑا غصہ آتا تھا اور میں سوچتی تھی کہ میں خود اس قابل ہوں کہ اپنی زندگی کے فیصلے کروں۔ اپنی زندگی بناؤں۔ اماں پر مجھے ذرا اعتماد نہ تھا۔ افضل کے ساتھ تو اتفاق ایسا ہوا کہ اسے اس کی من پسند شریک حیات مل گئی مگر میں بہت سوچ سمجھ کر اپنا ساتھی چننا چاہتی تھی۔

اب وہ مل گیا ہے تو اماں کی اہمیت' ان کے تحفظ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ کاش اماں مجھ پر مہربان ہو جائیں' میری ساری خطائیں نادان بچے کی ضد سمجھ کر معاف کر دیں' اماں میں اتنا ظرف ہے' ممتا بھی ہو گی' جسے انہوں نے اپنی ضد کے پردے میں چھپا لیا ہے' افضل کا یہ قصور کہ اس نے میرا ساتھ دیا۔ میں جو سزاوار تھی' اماں سے مقابلہ کر بیٹھی تھی۔ میری خاطر اس نے گھر چھوڑا۔ اماں کی خفگی بھی سہہ لی۔ میں حیران ہوں کہ انہوں نے تم کو میرا انتخاب سمجھ کر کیوں قابل نفرت نہ جانا۔ ان کی یہ نرمی ہی امید میں مبتلا کرتی ہے۔

میری قسمت بھی عجب ہے جسے میں نے اپنا نصیب بنایا۔ وہ پہلے ہی کسی کی مانگ نکلا۔ اس کے ساتھ بھی اتفاق ہی ہوا تھا۔ جب ازراہ ترحم اس نے اپنی کزن کے ساتھ منگنی کر لی۔ بعد میں اسے احساس ہوا کہ شاید وہ اس کی محبت نہیں ہے۔ اس نے اپنی ماں کو لکھ تو دیا ہے کہ اسے اس بندھن سے آزاد سمجھیں۔

میں چین آ گئی تھی۔ پتا نہیں اس کی ماں نے کیا جواب دیا۔ پروا! ہم سب اسی طرح ایک زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں۔ شاید تم بھی کسی اور کی بنائی جانے والی تھیں۔ بسمہ کی نفرت نے تمہیں تیرے راستے

پرلاڈالا۔ جہاں افضل کھڑا تھا۔ میرا بھائی، میرا ماں جایا۔ میرا سب سے عزیز دوست، یقین کرو۔ اس سے بہتر انسان اس سے زیادہ چاہنے والا تمہیں کہیں نہیں ملے گا۔ اس کے خمیر میں محبت گوندھی گئی ہے، ورنہ بہن کے لیے کوئی اتنا بڑا ایثار کرتا ہے؟ تم اور وہ ایک دوسرے کے لیے ہی بنائے گئے ہو، اسے اپنا نصیب، اپنا اعزاز، اپنا انعام جانو۔ اس انعام کے صدقے میں میری ایک گزارش ہے، میرا ارمان، تمنا، آرزو، خواہش، سب کچھ۔ الفاظ نہیں ملتے کہ میں شدت اور یقین کے ساتھ اظہار کروں۔ میں چاہتی ہوں، میری رخصتی میرے بابل کے آنگن سے ہو، ماں کی دعاؤں کے سائے میں، ماں کی مرضی اور اقرار کے بعد۔ اس کی خواہش کے مطابق۔ اگر اماں مجھ سے راضی نہ ہوئیں۔ تو میں ساری زندگی یوں ہی گزار دوں گی۔

میں جو گاؤں سے ترقی کے لیے باہر نکلی تھی۔ خود کو بڑا ایڈوانس، خود مختار سمجھتی تھی۔ آج احساس ہوتا ہے، میں اندر سے ابھی تک وہی دیہاتی پینڈو لڑکی ہوں۔ جو بابل کے آنگن کی چڑیا ہے، اسے ماں باپ ہی ہنکا کر کسی دوسرے آنگن کی رونق بنائیں۔ ماں کی مامتا کے بغیر۔ اپنے گاؤں سے دور میں کتنی اکیلی ہوں۔ کس قدر غیر محفوظ ہوتی ہوں۔ اس کا اظہار پہلی مرتبہ کر رہی ہوں۔

اماں کے منتخب کردہ رشتے سے انکار میرا حق تھا لیکن اپنی آرزو کو صرف اپنا معاملہ، اپنی زندگی کا فیصلہ قرار دینا غلط ہے، اس کا حق میری ماں کو ہے، اگر وہ اسے ریجیکٹ کردیں تو یہ ان کا حق ہوگا۔ اور میں اس کی پابندی کروں گی کہ یہ میرا فرض ہے، میں اب ضد کرکے حق منوانے والے فارمولے سے اکتا گئی ہوں، اس کے نتائج، کچھ بہتر نہیں نکلے۔

تم میری مدد کروگی نا؟ اماں سے سفارش، میرا کوئی احسان تم پر نہیں ہے تمہاری قسمت افضل کے ساتھ تھی۔ تب ہی دو ستارے ٹکرا گئے، لیکن اس ٹکراؤ میں میرا بھی کچھ ہاتھ تھا اس تعاون کے صدقے میں ہی میرا کام کردینا۔

اماں کو میری جاب بھی گوارا نہ تھی۔ میں اسے بھی چھوڑ کر آرہی ہوں کیونکہ اب میں خود کو ترقی یافتہ بنانے کے بجائے، اپنا گھر بنانا چاہتی ہوں۔ عزت، عزت نفس اور انا کی بلندی کے ساتھ۔

"اسے" بھی میری جاب گوارا نہیں۔ دراصل وہ بھی پینڈو ہے، امریکہ میں دس سال کے قیام نے اس سے وہ مشرقیت نہیں چھینی۔ جو ہمارا ورثہ ہے۔ غیرت، عورت کی کمائی، غیرت کے لیے تازیانہ۔ ایک پینڈو یا مشرقی روایات کے پابند مرد کے لیے۔ یہ جو اونچی ناک والے مرد ہوتے ہیں نا۔ اپنی برتری کے لیے یہ نمائش ضروری سمجھتے ہیں۔ جذباتی تسکین کے لیے کہ وہ خود کفیل ہیں۔

پروا! خط لمبا ہوگیا۔ تم سمجھ گئی ہوگی۔ مجھے اپنے میکے کے افتخار کی ضرورت ہے، صحن کی کچی مٹی کی خوشبو، کھیتوں کی ہریالی کی مہک۔ میں اس استحقاق کے حاصل کرنے کی حق دار ہوں (اماں کے خیال میں نہ ہوں گی) صبح کا بھولا ہوا ستارہ ہوں۔ اپنے صحن میں چمکنا میرا حق ہے۔ اماں کو سلام اور افضل کو پیار۔

تمہاری صدف

عجیب تاثر انگیز تحریر تھی۔ پروا کے آنسو آنکھوں کی حد سے باہر آگئے۔ اماں اسے روتا دیکھ کر بے قرار ہوگئیں۔

"کیا ہوا ہے؟ صدف ٹھیک تو ہے؟ کیا لکھا ہے اس نے۔ کیسی ہے وہ؟"

یہ وہ اماں نہ تھیں۔ جو صدف کا نام لینا بھی گناہ سمجھتی تھیں۔ ان کے دل میں مامتا کے سوتے پھوٹ رہے تھے، وہ خط پڑھ کر پروا کو روتا دیکھ کر اندر سے خوف زدہ تھیں۔

"کہیں صدف کو کچھ ہو تو نہیں گیا۔ اس کا جہاز گر تو نہیں گیا۔ زخمی ہو گئی کیا؟ پروا کیوں رو رہی ہے۔ جواب نہیں دیتی۔ ضرور کچھ ہوا ہے۔ مر تو نہیں گئی۔" ان کا دل زور سے اچھلا۔ پھر انہوں نے یقین کرلیا۔ ضرور کچھ ہوا ہے۔ ایسی نافرمان اولاد کا یہی انجام ہوتا ہے، کتنا کتنا منع کیا۔ نوکری نہ کر مگر اسے جہاز میں

اڑنے کا شوق تھا۔ لو لے گیا اڑا کر شوق اسے۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ دنیا دیکھیں گی۔ دیکھ لی دنیا۔ ارے اپنا گھر آنگن، اپنا بسیرا چھوڑ کر۔ کوئی دوسری دنیا کی سیر کرنے جاتا ہے؟ ماں کو خفا کر کے گھر کا آنگن سونا کر کے۔ ہائے امید تھی کہ پھر بھی کبھی اسے ماں کی یاد آئے گی۔ صحن میں لیٹ کر آسمان دیکھنے کا کتنا شوق تھا۔ پھر یہ شوق اوپر اور اوپر لے گیا اور اب۔ اب کہاں گئی میرا آنگن سونا کر کے، میری گود اجاڑ کے، ہائے میری صدف! میری بچی۔ تجھے دنیا نے میری آنکھوں سے دور کر دیا۔ اب کہاں پاؤں تجھے۔ کیا دیکھوں تجھے، کیسا ارمان تھا۔ بارات آئے، آنگن میں ڈھول بجے اور میں لال ستاروں والے دوپٹے میں اسے رخصت کروں۔ ہائے کدھر رخصت کروں۔ کیا کروں۔"

ان کا صبر رخصت ہو رہا تھا۔ پروا کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اماں نے اس کی خاموشی کو کن معنی میں لیا تھا۔ وہ ان سے لپٹ گئی۔

"نہیں اماں! یہ بات نہیں۔ وہ آ رہی ہے۔ نوکری چھوڑ کر۔ آپ کو جو پسند نہیں تھی۔ آپ کو خفا کر کے جانے کا اسے بہت دکھ تھا نا۔ اماں صدف آپا آ رہی ہیں اور ان کی شادی کریں گے، یہیں بارات آئے گی، یہیں ڈھول بجیں گے۔ سچ اماں! آپ بس لڑکے کو دیکھ کر اقرار کر لیں تو۔"

اماں نے پھرتی سے آنسو پونچھے۔ "اچھا تو کوئی 'بر' مل گیا ہے، تب ہی ماں کی یاد آئی۔ نوکری چھوڑ کر آئے گی۔ اس مروئے نے منع کیا ہو گا نا۔ تب ہی احسان میرے سر پر واہ۔ مارے جوتوں کے کھوپڑی پلپلی نہ کر دی تو۔ آنے تو دے، دیکھ کیا حشر کرتی ہوں میں۔"

اماں بالکل پڑی سے اتر گئی تھیں۔ پروا کو ہنسی آئی تو وہ [illegible] گئی اور دوبارہ [illegible] ہنستی رہی۔ دماغ میں کوئی خون کی رگ سرسرا رہی تھی۔ یقیناً کوئی بات تھی۔ اب صدف آپا کے "وہ" جو برسوں سے امریکہ میں ہیں اور مشرقیت کی روح کو فنا [illegible] کر سکے۔ شاید سارے مرد ایسے ہی ہوں۔

کیا جنہیں اپنے فراغ دل ہوتے ہیں کہ اسے پھر سے قبول کر لیں۔ ایک سسرال میں رہنے والی لڑکی کو جس کی شادی کو بھی کئی ماہ ہو چکے ہیں۔ کون ہو گا ایسا۔ کیسے یقین دلائے گی، میں تمہاری امانت ہوں۔ اگر سوری کہہ کر گزر گئے، تب کیا عزت ہو گی۔ ان پر پورا بھروسا تو پہلے بھی نہ تھا۔ اب تو۔ وہ بھی اپنا حق استعمال کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔ جب تو پھوپھو کے اصرار پر۔ بھابھی سے بچانے کی خاطر منگنی کر لی تھی۔ شاید اب اسے بچانے کی ضرورت نہ سمجھیں۔

پھر وہ لوگ، جو قدردان ہیں، عزت کرتے ہیں۔ مان رکھتے ہیں۔ اسے تحفظ دیا۔ نام دیا۔ ان کا کیا قصور کہ انہیں مایوس کیا جائے۔ شاید، پھوپھو کے کہنے پر اسے قبول بھی کر لیں۔ تو؟ عزت تو نہ ہو گی۔ وہ بات تو نہ ہو گی اور خود بھی وہ اپنی نظر میں گر نہ جائے گی؟ اپنے وجود سے متنفر، یہ حادثہ، منگنی والا حادثہ، پھر شادی کی نام نہاد تقریب، جہاں صدف نے اپنی آغوش میں چھپا لیا تھا اور وہ حادثہ، جب اس کی رخصتی ہوئی۔ اس کو یادگار بنانے کے لیے پائیدار بنانے کی کوشش، انگوٹھی انگلی میں بری طرح پھنس چکی تھی۔ شاید میں موٹی ہو گئی ہوں۔ خالص دودھ دہی گاؤں کی خالص ہوا اور محبتوں کے پیراہن۔

بمشکل انگوٹھی اتار کر ڈبے میں بند کی اور الماری کے کونے میں ڈال دی۔ ہوائیں اچانک ہی سرسرانے اور نغمے سنانے لگیں، بوجھ اتر جائے تو روح بھی گنگناتی ہے۔ جسم بھی تر و تازہ اور آنکھیں چمکنے لگتی ہیں۔ ہاں اب کوئی بوجھ نہ تھا۔ کسی کے احسان کا۔ نہ کسی کے انتظار کا۔ "اب کیا ہو گا؟" والی کیفیت کافور کی بو کی طرح اڑ چکی تھی۔

اب یقین کا آسرا تھا۔ اس یقین کا جو اس کے دل نے گواہی میں دیا تھا۔ بس سب کچھ یہیں ہے۔ اسی جگہ، اپنائیت کا لمحہ سرسراتا ہوا گزر رہا ہے۔ تحفظ اور اعتماد زندگی میں اس کے سوا اور کچھ نہیں اور وہ ان لفظوں کے معنی مطلب سے آگاہ ہو گئی۔ ان کی حرمت پہچان گئی۔

اسے لگ رہا تھا، وہ بہت کارگزار اور بااختیار ہے،

سب کچھ کر سکتی ہے، اماں جیسی سخت گیر اس کے سامنے حباب کی مانند ہو جاتی ہیں۔ صدف کی شادی کرانے کا عزم کیا ہے تو کرا کے ہی رہے گی، پچھلی زندگی خواب تھی اور خواب بھولنے کے لیے ہوتے ہیں۔ اماں نے اسے اقتدار کے تخت پر بٹھا دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

شام کو افضل آ گیا۔ بہت تھکا ہوا تھا۔ مونڈھے پر بیٹھ گیا۔ پروا کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اس کی انگلی بالکل خالی تھی۔ ایک ثانیے میں دیکھ لیا تھا اس نے۔

"جا بہو! افضل کے لیے لسی لے کر آ۔"

وہ کچن کی طرف دوڑ گئی۔ پانچ منٹ بعد چائے لیے نمودار ہوئی تو اماں خفگی سے بولیں۔

"لسی لانے کو کہا تھا باؤلی۔ شہر میں کب نصیب ہوتی ہے لسی۔ چائے تو خون جلا دیتی ہے۔"

افضل شوخ نگاہوں سے پروا کو دیکھ رہا تھا۔

"اماں! آپ کی بہو آپ سے زیادہ مجھ سے واقف ہے۔ لسی پی کر تو سستی چڑھ جاتی ہے، سست، مریل ہو جاتا ہے بندہ، چائے رگوں میں بجلی دوڑا دیتی ہے۔"

"چل، دوڑا لے بجلی۔ خون جلا کر۔"

اماں ہنس پڑیں۔ افضل نے حیران ہو کر اماں کو دیکھا۔ پروا کے پاس منہ لے جا کر سرگوشی کی۔

"جادو کر دیا ہے میری ماں پر؟ ان کے حکم کی خلاف ورزی ہو، اور وہ ہنس پڑیں۔ ایسا تو کبھی نہیں ہوا۔"

پروا نے منہ پھیر لیا اور مسکرا دی۔

اماں نے شرارت سے کہا کہ افضل کے لیے صاف بستر بچھائے، رات یہیں سوئے گا۔

"اماں کو کیسے خبر ہوئی کہ میں رات رہنے کے لیے آیا ہوں؟ میں نے تو کچھ بتایا نہیں۔"

"وہ ماں ہی کیا۔ جو اولاد کی خواہش نہ جان سکے۔"

اماں سرد لہجے میں بولیں۔

"تو اس سے پہلے کیا آپ ماں نہ تھیں، میں اور صدف آپ کی اولاد نہ تھے؟" وہ بگڑ گیا۔

"ہٹ پرے۔ جا صدف کو بلا لے، آنکھیں ترس گئی ہیں۔ میرے گھر میں اب اس کی بارات آئے گی۔"

افضل دہشت زدہ ہو گیا۔ اماں کے پاس بیٹھ کر بڑبڑانے لگا۔

"اماں۔ اماں! یہ آپ کہہ رہی ہیں۔"

"ہاں، میں کہہ رہی ہوں، تم لوگوں نے مجھے پتھر سمجھ لیا تھا اور مجھ سے ہٹ کر چلا کرتے تھے کہ کہیں تمہیں ٹھوکر نہ لگ جائے، بچ بچ کر قدم اٹھاتے تھے۔ میں انسان ہوں بیٹا۔ ماں ہوں۔ اختیار والی ہوں۔ کب

سے انتظار کر رہی تھی۔ کوئی مجھے کمزور بھی سمجھے، میری ممتا کا اقرار کرے، میرے احکام کو حق سمجھے، مجھے دلیلوں سے نہیں، پیار سے، لجاجت سے، ضد سے نہیں، محبت سے جگائے، ارے تم لوگ، بے وفا، بے مہر۔ ہاں یہ تو میری بہو ہے، جس نے میرے سارے ارمان پورے کیے، میری بہو نے میری بیٹیوں سے زیادہ میرا مان رکھا۔ فرشتی ہے فرشتی، جیسا چاہتی تھی، وہی ملا ہے مجھے، تم اس قابل کہاں تھے، پر خیر صدف نے جو کچھ کیا ہے، تیری شادی وادی کرادی۔ تو میں اب ایسی سنگدل بھی نہ تھی کہ اب بھی اسے معاف نہ کرتی، پھر میری بہو کی سفارش، کیسے ٹالوں؟"

خوب تو یہ کارنامہ ان محترمہ کا ہے، کمرے میں تازہ گلاب کا گلدستہ مہک رہا تھا۔

اور محترمہ کے قریب سے عجیب فسوں خیز خوشبو اٹھ رہی تھی۔ یقیناً" اماں نے پچھتر سال پرانا اصلی اور خالص عطر نکال کر چہیتی بہو کے لگایا ہے، اس پر وہ باسکٹ سے چھنا چھن چوڑیاں نکال نکال کر پہن رہی تھی، چوڑیوں کی جھنکار سنے عرصہ ہو گیا۔ سناٹے میں یہ کسی دلکش نغمے کی دھن کی طرح سماعت میں رس گھول رہی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" اس نے ڈپٹ کر پوچھا۔ بیوی پر رعب جما کر ہی تسکین ملتی ہے، مردانگی کو۔

"چوڑیاں پہن رہی ہوں۔" وہ سہم گئی۔ اے خدا کہیں انہیں ناپسند ہوں تو۔

"کیوں؟"

"آ۔ آ۔ اماں نے کہا تھا کہ۔ کہ پہن لو۔ ہاتھ خالی ہیں۔ اچھے نہیں لگتے۔"

"خوب، غلامی کے حلقے، خوشی سے پہنتی ہو تم لوگ۔ اچھا اور یہ خوشبو کیوں لگائی پچاسی سال پرانی۔ کہہ دو اماں نے لگا دی۔"

"جی۔ جی۔ جی۔"

"کیوں؟"

"پتا نہیں جی۔ وہ تو زور لگا دیتی ہیں۔"

"اچھا تو ان تابعداری نے میری ماں پر جادو ڈالا ہے۔" دانت چمکانے لگا۔ طنزیہ۔

"ادھر آؤ۔" پھر وہی رعب۔

"کیوں؟" وہ پیچھے ہٹ گئی۔ اب چوڑیوں کی شامت نہ آئے۔ "اتار دوں؟ اگر بری لگ رہی ہیں؟"

"نہیں۔ اچھی لگ رہی ہیں۔ ہاتھ دکھاؤ۔ وہ کہاں گئی انگوٹھی؟ کم بخت اپنا نشان تو چھوڑ گئی۔"

بروا کا رنگ اڑ گیا۔ سانس رکنے لگا۔

"کب اتاری؟ صدف کا خط آیا تھا کیا؟" کتنا چالاک۔

اس نے گردن سے اقرار کیا۔ "اوہ! تب ہی اتار دی مایوس ہو کر۔"

"مایوس ہو کر۔" وہ گھبرا گئی۔ "کیا مطلب؟"

"خیر چھوڑو، تم نے کسی کو خط نہیں لکھا۔ سارے لفافے اسی طرح رکھے ہیں۔"

"خط۔ کس کو۔ کیوں؟" زمین آسمان جھولا جھولنے لگے تھے۔

"اس کو۔" افضل نے اپنی جیب سے خط نکالا۔ صدف کا خط تھا۔ افضل کے نام ساتھ ہی دو تین تصویریں بھی تھیں۔ صدف اور جنیب، جنیب اور صدف؟ چند لمحے وہ کچھ سمجھ ہی نہ سکی۔ "ہاں، خط لکھا تھا؟ یا صدف کا خط آنے کے بعد یہ فیصلہ کیا۔"

"خط کون؟ کون؟ کس کو؟ کیسا فیصلہ۔"

"خط اسے۔" افضل نے جنیب کی تصویر کی سمت انگلی سے اشارا کیا۔ "اور فیصلہ انگوٹھی اتارنے کا۔ مایوسی کے نتیجے میں۔" برابر برہم سا ہو رہا تھا۔

گرم گرم لہو کی دھاریں اس کے سارے جسم میں سرسرانے لگیں۔ اس قدر طیش تھا کہ کھڑا نہ ہوا جا رہا تھا۔ وہ بڑے بڑے دیدے نکالے گھور رہا تھا۔ اس کی جان نکلی جا رہی تھی۔ اچانک آنکھوں میں ناقابل برداشت جلن سی ہوئی۔ جھر جھر بہنے والے آنسوؤں نے سامنے پردہ سا ڈال دیا۔ خود پر قابو نہ رہا۔ وہ چیختی، روتی اسے دھکا دے کر کمرے سے بھاگی۔

افضل حیران ہو گیا۔ اور اس کے پیچھے بھاگا۔ اماں کے کمرے سے فریاد بلند ہو رہی تھی۔

اماں ابھی تک اس سے خفا تھیں۔ اب چہیتی بہو جانے کیا گل کھلائے۔

وہ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر شاید وظیفہ پڑھ رہی تھیں۔ وہ بھاگتی ہوئی آئی اور روتے ہوئے ان کے پہلو سے چپک گئی۔ گاؤں میں سرِ شام سناٹا ہو جاتا ہے ورنہ رونے چیخنے کی یہ آوازیں شاید دوسروں گھروں تک بھی پہنچتیں اگر ان کا گھر آبادی کے قریب ہوتا۔ اماں کے سوالوں کے جواب میں وہ ایسے چیخ چلا رہی تھی جیسے ناقابل برداشت درد سے بے حال ہو۔ وہ دروازے پر الزام کی نوعیت سننے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

(آج تک اس کی آواز نہ سنی تھی۔ پتا نہیں کہاں سے مانگ لائی صور اسرافیل)

"اماں۔ اماں! آپ کا بیٹا۔" وہ ہچکیوں پر ہچکیاں لے رہی تھی۔ "آپ کا بیٹا مجھ پر الزام۔ اے اے لگاتا ہے کہ میں۔ کہ میں خط لکھتی ہوں۔ غیر مردوں کو میں کیوں لکھوں گی خط؟ مجھے یہاں کیا تکلیف ہے، جو میں کسی کو خط لکھوں گی۔ میں کوئی آوارہ ہوں؟ بدچلن ہوں؟"

اماں نے دروازے پر تیز نگاہ ڈالی۔ بوکھلائے ہوئے افضل نے اندر داخل ہونا چاہا تو اماں نے اپنی چپلیں اٹھا کر دے ماریں۔ جو افضل کے سینے پر لگیں۔

افضل ندامت سے کھڑا پروا کو گھور رہا تھا۔ پھر اس نے پروا کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ارے او۔ بدقسمت۔ تو اس قابل ہی نہیں کہ تجھے معاف کیا جائے۔" اماں نے چلا کر کہا۔

"چھوڑ میری بہو کا ہاتھ۔ توڑے گا؟ چل بیٹی۔ یہ جو کرتا ہے کرتا رہے، تو آجا میرے پاس، میرے ساتھ رہنا۔ عادت ہو گئی ہے مجھے تیری اور خبردار جو تو نے آئندہ اس سے بات بھی کی، دفع ہو، میری بیٹی میرے پاس رہے گی تو جا اپنے گھر۔ تجھے قدر ہی نہیں ہے اس موتی کی۔ الزام لگاتا ہے؟"

"اماں! میں تو مذاق...."

"مذاق؟ ارے یہ کیسا مذاق ہے؟ بیوی کی قدر نہ کرے مگر بے عزتی کرنے کا کیا حق ہے؟ بول۔ اپنی ہی بے عزتی ارے، غیرت کیا شہر میں گھول کر پی جاتی ہے۔ ذرا لاج نہ آئی۔ میری بہو، میرے خاندان کی عزت۔ اسے مذاق کے نام سے۔ مذاق؟ توہین ہے یہ بے شرم۔ چل دور ہو۔ میری بہو میرے پاس ہی ٹھیک ہے، تو اس قابل ہی نہیں کہ کسی شریف زادی کے ساتھ گھر بسائے۔"

اماں جب بولتیں تو کوئی چپ کرانے کی ہمت نہ کرتا۔

حادثے تو پروا کے ساتھ بہت ہوئے، وہ حادثوں کے ساتھ ہی قدم قدم چلتی رہی، لیکن وہ حادثہ تو ایسا دلکش، روح پرور اور دلچسپ تھا کہ جب بھی یاد آتا جسم میں سنسناہٹ اور گدگدی سی ہونے لگتی اور بے اختیار ہنسی کے فوارے چھوٹنے لگتے۔

جب گھبرائے ہوئے افضل نے پروا کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر کھینچا اور دوسرے ہاتھ سے اس کا منہ دبایا کہ وہ آواز بند کرے، دوسری طرف پروا نے اماں کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا اور اماں نے پروا کو تھام رکھا تھا۔ افضل پروا کو کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اماں نے اگر دوسری بار وہی جملے دہرا دیے تو وہ تو اس فرشتی سے کبھی مل ہی نہ پائے گا۔

آخر کار افضل کے مردانہ بازوؤں کو فتح ہوئی۔ وہ انہیں کھینچ لینے میں کامیاب ہوا۔ مگر ایسے جھٹکے سے کہ زمین پر جا گرا۔ اس پر پروا آ کر گری اور پروا کے اوپر اماں کا نازک بدن۔ افضل دونوں کے نیچے دبا ہوا لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔ مگر اس نے پروا کو چھوڑا نہیں۔

پھر چند لمحوں بعد جب جسموں کی زنجیر کہیں سے الگ نہ ہوئی تو اماں نے ہنسنا شروع کر دیا۔ پروا جو سنسنی خیز مقابلے میں سینڈوچ بنی پڑی تھی۔ قہقہے لگانے لگی۔ پھر افضل کے بلند آہنگ قہقہے بھی شامل ہو گئے۔

گاؤں کے سناٹے میں دور دور ان کی ہنسی کے جلترنگ بجتے سنائی دے رہے تھے۔

❄

ہے۔ اس کی تحقیق تو کوئی کرتا نہیں۔ بیسویں صدی اور ایٹم کے تجربات کے سڑ ڈال کر سائنسی ایجادات کو کوسنا شروع کر دیتے ہیں۔ پچھلی صدی کے ایثار پیشہ لوگ، یگانگت اور خلوص کے سارے تعلق اپنے ساتھ قبر میں لے گئے یا وہ جادوگر تھے کہ ان کا علم ان کے ساتھ فنا ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

چند سال پہلے حالات اور تھے۔ بہار ہی بہار تھی۔ خوشیاں آنگن میں چھلانگیں لگاتیں۔ خوشبوؤں سے پورا جہان مہکتا۔ اماں، ابا، بھائی بلکہ پورا خاندان اس کے ناز اٹھاتا۔ بچپن میں بیمار ہو گئی تھی نا۔ مرتے مرتے بچی۔ اماں کی تو اس میں جان تھی۔

"لڑکی ذات ہے۔ جانے کن حالات میں گزر کرنا پڑے۔ اسے اتنا نازک مزاج نہ بناؤ آپا۔" ممانی آئی تھیں اسے بہو بنانے مگر اس کی قدر و منزلت، عیش کوشی اور آرام طلبی دیکھ کر مایوس ہو گئیں۔

"لڑکیوں کو سخت موسموں کا عادی ہونا چاہیے۔"

ممانی کو خاصی تشویش تھی۔ جو اس کم سنی میں ہی اس قدر نخرے کرتی تھی۔ گرمی کی برداشت تھی نہ سردی کی۔ گرمی میں اس کے لیے نہایت باریک لان کے سوٹ بنوائے جاتے۔ سردی میں کاٹن سے بدن چھلنے لگتا۔ لارنس پورٹل سے گرم سوٹ منگائے جاتے۔ اہتمام سے سلوائے جاتے کہ سلائی موٹی نہ ہو۔ جو اس کے نازک بدن کو ناگوار ہو۔

"ہماری ہما تو ریشمی کپڑے بناتی ہے۔ سردی گرمی وہی پہنتی ہے۔ کئی سال چل جاتے ہیں۔ مضبوط کے مضبوط اور رنگ بھی پختہ۔"

ممانی اس کی ننھی سی ناک کو دیکھا کرتیں جو چڑھی رہتی تو اسے اس لڑکی کا گزارا تو بادشاہوں کے گھر ہی ہو سکتا ہے۔ ہم جیسے لوگ بھلا اس کے نخرے کہاں سہہ سکتے ہیں؟ اسے تو کبھی گھر میں لگتی چچی اماں کراچی سے اس کے لیے بہترین باریک لان کے سوٹ بھیجا کرتیں جس کے ڈیزائن بھی، رنگ بھی حسین ہوتے۔ اماں کی فرمائش کے بغیر ہی کراچی سے اس کے لیے خوبصورت چوڑیاں، نئے ڈیزائن کی چپلیں اور ہیل والے نازک سینڈل آ جاتے۔ چچی اماں کو اس کا بہت خیال تھا۔ انہوں نے اپنے بیٹے کے لیے اماں سے وعدہ لے لیا تھا۔ ان کے تو چار بیٹے تھے اور بیٹی تو بس پروا ہی تھی۔ دونوں گھروں کی مشترکہ۔ چچی اماں نے تو اسے بہت دفعہ کراچی بلایا اور ہر بار وہ بے قرار ہو گئی۔ مگر بس ایک یہی خواہش اماں نے پوری کر کے نہ دی۔

"اری۔ کیا شادی سے پہلے ہی سسرال جانے کا شوق ہے۔"

وہ ہنس کر کہتیں۔ تو وہ خفا ہو جاتی اس کا جوش ٹھنڈا ہو جاتا۔ وقت بھی کیسا بے مہر ہے۔ ادھر اماں ابا حج کے لیے سوار ہوئے اور وقت نے کروٹ بدلی۔ عرفات میں تو ہر سال ہی تیز ہواؤں کی بدولت آگ لگا کرتی ہے مگر اس سال آگ اور دھواں اس قدر طاقت ور نکلے کہ اس کے اماں ابا کو ہی نگل گئے۔ ادھر اس پر بھی جہنم کھل گیا۔ ابا اپنے ساتھ ساری خوشحالی لے گئے اور اماں کے ساتھ محبتیں فنا ہو گئیں۔ چاہتیں اڑ گئیں۔ نظریں بدل گئیں لوگوں کی۔ پاگلوں کی طرح وہ اماں ابا کو گھر کے گوشے گوشے میں پکارتی۔ ڈھونڈتی مگر بے جان وہ چیزیں خاموشی کی زبان میں اس پر ترس کھاتیں۔

ایک پھوپھو تھیں۔ اس کی قدر دان۔ ہر سال جب وہ ان کے گھر جاتی تو سب اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے۔ پھوپھو اپنی بیٹیوں کو سسرال سے بلا لیتیں تاکہ اس کا دل لگا رہے۔ پھوپھا جان اس کے لیے قصبے کے برف خانے سے آئس کریم قلفی جموا کر لاتے۔ اصرار سے کھلاتے۔ نائلہ باجی نے ایک دن رشک سے کہا۔

"ہائے ابا نے ہماری تو کبھی اتنی خاطر نہ کی۔"

اس قدر مہر محبت کی فراوانی تھی کہ وہ سرشار ہو کر آتی اور مہینوں اسے پھوپھو کے قصباتی ماحول کی سادگی اور خلوص یاد آتا مگر جب اماں ابا چلے گئے تو اسے کچھ یاد نہ رہا۔ اگر عمر بھائی نہ ہوتے ان کی دل جوئی، تسلیاں اسے زندگی کے قریب لاتی رہیں۔ پھر بھائی نے کاروبار شروع کیا۔ لیکن بے ایمانی کے دور میں ان سے ان کا سرمایہ بھی چھن گیا۔ اور وہ بھائی کی حالت دیکھ کر فکر سے بے دم ہو گئی تو پھوپھو آ کر اسے اپنے ساتھ لے گئیں۔ اور وہاں اس کی وہی پذیرائی ہوئی جو ہمیشہ سے ہوتی تھی مگر اب وہ بے حس اور تنفس ہو گئی تھی۔ نہ کسی کی محبت اسے شاد کرتی نہ کسی کی بے وفائی سے متاثر ہوتی۔ اسے دنیا کے بدلتے رنگوں کا احساس ہو رہا تھا۔ اب وہ وقت نہیں رہا تھا۔

چچی اماں نے بیٹے کا بہانہ کر کے نام نہاد منگنی بھی توڑ ڈالی اور سنا کہ وہ کسی بڑے گھر کی بیٹی کی تلاش میں ہیں۔ چچی اماں کی محبت اور شفقت پر اسے بہت بھروسا تھا۔ اس لیے نہیں کہ وہ ان کے بیٹے سے منسوب ہو گئی تھی بلکہ اس لیے کہ انہوں نے ہمیشہ اسے اپنی بیٹی کہا اور سمجھا تھا وہ اس کے لیے ہر موسم کی چیز بھیجا کرتی تھیں۔ اس سے محبت کے اظہار کے لیے انہوں نے محض بناوٹی باتیں کبھی نہیں کیں۔ ان کے بدلنے کا اسے خاصا دکھ پہنچا۔

مدتوں وہ حیران رہی۔ اور تب ہی سے اس نے کیا؟ اور کیوں؟ کے الفاظ کا سہارا چھوڑ دیا۔ وہ ایسے موقع پر چپ ہو جاتی اور بولنے کی تو اب عادت بھی نہیں رہی تھی۔ وہ تو دنیا کو گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئی تھی لیکن عمر بھائی نے شاید ابھی تک حقیقت کو قبول نہ کیا تھا۔ تب ہی وہ دوستوں کی طوطا چشمی کے نتیجے میں گھر کا سامان اور بچے کھچے اثاثے سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔

جب وہ گھر پہنچی تو ویرانی کا منظر تھا۔ تمام فرنیچر غائب تھا۔ اس کا زیور بھی بھائی کے کاروبار کی نذر ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کے جہیز کی الیکٹرک کی چیزیں بھی بک گئی تھیں۔ خالی کمرے بھائیں بھائیں کر رہے تھے۔ ڈرائنگ روم کے قیمتی پردے تک نیلام ہو گئے تھے۔

"بھائی۔ اب کیا ہو گا۔ ہم کیسے رہیں گے؟" وہ وحشت زدہ تھی۔

"جیسے میں رہ رہا ہوں گڑیا! تم فکر نہ کرو۔ اس نقصان سے مجھے دوستوں کی اصلیت کا تو پتا چل گیا نا۔ اب میں دوسروں کے سہارے سے نہیں خود اپنی ہمت اور کوشش سے محنت کروں گا۔ تمہیں بھی میرا ہاتھ بٹانا ہو گا۔ گھر کے کام کے لیے کوئی نوکر نہیں رکھ سکتے ہم۔ تمہیں سب کچھ سیکھنا ہے۔"

وہ تو آزاد تتلی تھی جسے اس کی ماں چمن کی رونق و زیبائش سمجھتی تھیں۔ ماں کے بعد وہ تتلی کے پروں کے کچے رنگ کی حقیقت بھی جان گئی۔

پھوپھو جتنے دن رہیں اسے گھر داری سکھاتی رہیں۔ ہدایات لکھ کر رکھتی رہیں۔ کھانے پکانے کی ترکیبیں بھی سمجھاتی رہیں۔ پھوپھو نے گھر کے بچے کھچے سامان کو ترتیب سے رکھوایا۔ ان کا تعاون اور امید افزا تسلیاں زندگی گزارنے میں معاون بنیں۔ بھائی نے بڑی لجاجت سے کہا۔

"دھڑیا! میرے پاس تو تمہارے تعلیم کے لیے بھی کچھ نہیں بچا۔ تم اس سال تو کالج نہیں جاسکو گی۔ اگلے سال۔ اگلے سال پھر داخلہ لے لینا۔" اور وہ چپ ہو گئی۔ حالات کے ساتھ سمجھوتا کرنا اس نے سیکھ لیا تھا۔

بھائی کو سروس ملی تو وہ گھر سنوارنے میں لگ گئی۔ ماں باپ کے بچھڑنے کا تو دونوں کو ہی غم تھا بے انتہا۔ لیکن چچی اماں کی بے وفائی۔ بے اعتنائی نے دلوں میں زخم ڈال دیے تھے۔ وہ بے پروا لاابالی سی لڑکی لیکن اماں جب کہتیں۔

"سسرال میں وقت سے پہلے ہی جائے گی کیا؟" تو وہ شرما جاتی۔ کبھی اسے غصہ آتا کہ اتنی اچھی محبت کرنے والی چچی اماں کے پاس وہ صرف اس لیے نہیں جاسکتی تھی کہ وہ اس کی ہونے والی سسرال ہے۔ چچی اماں کو اس سے محبت تھی۔ اسے یقین تھا۔ اس لیے بھی کہ ان کی کوئی لڑکی نہ تھی۔ اس لیے بھی کہ اس کی اماں سے چچی اماں کی گاڑھی چھنتی تھی۔ اور اس لیے کہ وہ تھی ہی اتنی پیاری کہ وہ اسے بہو بنانے پر رضامند ہو گئی تھیں۔

مگر پھر بے مہری کی گھٹائیں چھا گئیں اور بے اعتنائی کی آندھی چل پڑی۔ کیسی آندھی کہ زندگی کی بچی کھچی خوشیاں بھی سمیٹ لے گئی۔ اماں گئیں' محبتیں بھی ختم ہو گئیں۔ ابا اپنے ساتھ سہارے کا سائبان اکھاڑ لے گئے۔ پھر چچی اماں نے خود ہی آس کی چادر اس کے وجود سے کھینچ ڈالی اور کھلے آسمان تلے وہ ہکا بکا گرم ہواؤں کا مقابلہ کرنے کو تنہا رہ گئی۔ اب اسے کسی کا بھروسا نہ رہا۔ بھائی کا بھی نہیں۔ پھوپھو کا بھی نہیں۔ جو ابھی تو تسلی دلاسے' تشفیاں اور امیدیں اور [illegible] کے سبز باغ دکھاتی تھیں۔ پتا نہیں کب بدل جائیں۔ وقت کے ساتھ بھلا دیں اسے۔ وہ کسی نئے زخم سے بچنے کے لیے انتظار کر رہی۔ یقین کے ساتھ کہ ایسا تو ہوتا ہے۔

"[illegible] تم بالکل فکر نہ کرو۔ اس کے لیے رشتوں کی کمی نہیں ہے۔ میں زندہ ہوں ابھی۔ جو کچھ کرنا ہے۔ میں کروں گی۔"

پھوپھو کے دلاسے عمر کو بے یقینی کے بھنور سے نکال لاتے۔ پھر بھی۔ ناتجربے کاری نے اسے خالہ بتول کے چکر میں پھنسا دیا تھا۔ خالہ بتول جو عمر کے آگے پیچھے پھرا کرتی تھیں۔ عمر کے رشتے کے لیے لوگوں کو لے کر آتیں۔ عمر نے کہا بھی کہ ابھی پھوپھو زندہ ہیں۔ مگر خالہ بتول نے آنکھیں نکال کر کہا تھا۔

"رشتے داروں کا تو بھروسا ہی نہ کرو۔ میں جو رشتہ لائی ہوں۔ وہ سب دلدر دور کر دے گا۔ انسان کو آگے کی فکر بھی کرنی چاہیے۔ بہن کا ساتھ ہے۔ اس کے بھی ہاتھ پیلے کرنے ہیں۔ ارے یہاں سے اتنا ملے گا کہ گھر بھر جائے گا۔ حالت بدل جائے گی۔ پھر پوزیشن کے لوگ ہیں۔ تمہاری بہن کو بھی اچھا رشتہ مل جائے گا۔"

عمر کو دولت کی تو ضرورت نہ تھی۔ البتہ بہن کے لیے سوچتا تو غصہ آجاتا۔ چچی اماں نے اسے فکرمند جو کر دیا تھا۔ پھوپھو کی یقین دہانی کے باوجود۔ بڑے بھائی کی حیثیت سے اسے بھی تو بہن کے لیے کچھ سوچنا چاہیے۔ بس اس طرح شادی طے ہو گئی۔

پھوپھو نے سنا تو رنجیدہ ہو گئیں۔ وہ تو کچھ اور ہی سوچے بیٹھی تھیں۔ ان کی بیٹی ناظمہ موجود تھی۔ جس کے لیے پروا کی اماں نے اپنا خیال ظاہر کیا تھا۔ اور پھوپھو کو بھلا کیا اعتراض ہوتا۔ پروا کے لیے بھی انھوں نے دل میں طے کر لیا تھا۔ لیکن عمر نے ان کے بھروسے کا بھرم نہ رکھا۔ خود ہی سب کچھ طے کر لیا تو وہ چپ کی چپ رہ گئیں۔

خیال تھا کہ بقول خالہ بتول کے۔ شادی کے بعد گھر کی حالت بدل جائے گی۔ مگر نہ گھر بھرا نہ حالت بدلی۔ خالہ بتول نے ہی ناک سے سوں سوں کرتے ہوئے آنکھیں دبا دبا کر آنسو نکالے تھے اور رندھی آواز میں دلہن کے باپ کے کاروبار کی اچانک تباہی کی داستان سنائی۔

"ہئے ہئے۔ ایسا گھاٹا دشمنوں کو بھی نہ ہو۔ لاکھ کا گھر خاک ہو گیا۔ سامان تک بک گیا۔"

عمر کیا بولتا۔ اس کے ساتھ بھی ایسا کچھ ہو چکا تھا۔ بھابھی گھر میں آئی تو رونق بھی لائی۔ کوئی نہ کوئی مہمان آجاتا۔ بھائی سسرال والوں کی تواضع میں لگ جاتے۔ بھابھی کے نقرئی قہقہے سونے آنگن میں گونجنے لگے۔ شروع میں وہ بھابھی کے آگے پیچھے پھری۔ بھائی کے سوا اور تھا بھی کون اور بھائی کے حوالے سے بھابھی پیاری تھی۔ مگر جونہی اسے اندازہ ہوا کہ بھابھی کو اس کی قربت پسند نہیں۔ اس نے بھی خود کو سمیٹ لیا اور صحیح معنوں میں یکا و تنہا ہو گئی۔

بھائی کو تو اس سے مخاطب ہونے کا خیال بھی نہ آتا۔ بیوی کی دلجوئی جو خوشامد تک پہنچ جاتی۔ انہیں اس سے فرصت نہ تھی۔ بھابھی جب میکے چلی جاتیں تو بھائی کو بہن یاد آتی۔ گو کہ بھابھی کی موجودگی میں بھی وہی گھر سنبھالتی تھی۔ مگر ان کے جاتے ہی بھائی اسے نصیحتوں کا میٹھا شربت پلانے لگتے۔

"وہ بڑے امیر گھر کی ہے۔ ہمارے گھر میں ہے کیا۔ اس کی شرافت ہے جو خوش ہے۔ یہ تو اب ان کے حالات خراب ہوئے ہیں۔ ورنہ پہلے تو۔ ارے گھر کا سامان تک بک گیا۔" وہ خالہ بتول اور بھابھی کی زبان ہی بولا کرتے۔

"بھائی! پہلے تو ہمارے حالات بھی اچھے تھے۔ جب اماں ابا تھے تو قیمتی سامان سے گھر بھرا ہوا تھا۔ ہم بھی گئے گزرے تو نہیں۔" وہ یاد دلاتی۔

"اس سے کیا ہوتا ہے۔" بھائی بگڑ جاتے۔ "اب تو کچھ نہیں ہے ہمارے پاس۔"

"تو کیا ہوا۔ ہمارے ان کے حالات ایک جیسے ہی تو ہیں۔ پھر بھابھی کی امی کیوں ناک چڑھاتی ہیں اور بار بار کہتی ہیں کہ بتول نے مجبور کر دیا۔ ورنہ رشتوں کی لائن لگی تھی۔"

"اچھا اچھا چپ رہو۔ بھابھی کے سامنے نہ کہہ دینا۔" وہ اسے ڈراتے۔

"نہیں جی۔ اتنی بے وقوف نہیں ہوں۔"

وہ خوش ہو جاتی کہ بھابھی کی غیر موجودگی میں بھائی اس سے بات تو کر لیتے ہیں۔ اور وہ بھی دل کی بات کہہ دیتی ہے۔

"بھائی! اب تو سال ہو گیا۔ میں کالج میں داخلہ لے لوں؟"

بھائی حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔ وہ تو یہ بات بھول ہی گئے تھے۔ بیوی کے سوا اب تو انہیں کچھ یاد نہ رہتا تھا۔ اگلے دن ہی بھابھی کی چڑھی تیوری اور تلخ لہجے نے بتا دیا کہ اس کا شوق پورا نہیں ہو سکتا۔ بھابھی کی مرضی جو نہیں تھی۔

"گھر میں دل نہ لگے تو کالج کا بہانہ مل جاتا ہے۔ آوارگی کا دل چاہا۔ کالج چلے گئے۔ فیشن ہو گیا ہے کالج جانا۔ پڑھائی کا تو نام ہے۔ گھر سے بیزاری کا مطلب۔" بات پوری کیے بغیر بھابھی نے اپنے خیالات کا اظہار تو کر ہی دیا۔ بعد میں بھی بڑبڑاتی رہیں۔

"ہمارے حالات ابھی ان اللے تللوں کے قابل کہاں۔ اچھا شوق ہے بھئی۔ ہر مہینے فیس بھرو۔ کیا ڈاکہ ڈالیں۔ جیبیں کاٹیں۔ کیسے پورا کریں گے خرچا۔"

بھائی بھی منہ چھپا رہے تھے۔ وہ بھابھی کی۔۔۔ مبالغہ آمیزی پر حیران بھی نہ ہوئی۔ بھائی کی آمدنی بھی اچھی خاصی تھی۔ ہر ماہ بھابھی نیا سوٹ بناتیں۔ سینڈل لیے جاتے۔ مہینے میں دو چار دعوتیں میکے والوں کی ہوتیں۔ سسرال میں تو کوئی تھا نہیں۔ بھابھی بے فکری سے خرچ کرنے والوں میں سے تھیں' بغیر سوچے۔ (بھائی کو کچھ بھی نظر نہ آتا۔)

پروا چپ رہی۔ خود اس کے پاس کپڑوں کا اسٹاک ختم ہو گیا تھا۔ سینڈلیں ٹوٹ چکی تھیں۔ لحاف پرانا ہو گیا۔ چادریں پھٹ گئیں۔ بھائی کو کچھ بھی نظر نہ آتا۔ آئے دن تو ان کے دوست' احباب رشتے داروں میں برتھ ڈے' عقیقہ' بسم اللہ قسم کی تقریبات ہوتیں۔ ہر بار قیمتی تحائف خریدے جاتے۔ دھوم دھام سے مٹھائی کے ڈبوں کے ہمراہ شرکت ہوتی۔ سوٹ' سینڈل اور دیگر میچنگ کے لوازمات۔ صرف اسی کے کالج کا خرچ بچانا کیوں ضروری تھا۔ (بھائی کو کچھ بھی کیوں نظر نہیں آتا؟) کیوں اور کیسے کہنے کے لیے

زبان کانپ جاتی تھی۔ اب تو سب کچھ ممکن تھا۔ خاموشی اس کو راس آگئی۔

ایک دن بھائی کو خیال آگیا۔ بولے "یہ کیسے بدرنگ کپڑے پہنے ہیں تم نے؟ یہ اب چھینکنے والے ہو گئے ہیں۔ کل چلو میرے ساتھ۔ اپنے لیے کچھ سوٹ لے لینا۔" اس کی آنکھیں بھیگ گئیں لیکن منہ سے ایک لفظ نہ نکلا۔ اگلے دن تک شاید وہ یہ بات بھول گئے۔ مگر بھابھی کو یاد رہا۔ وہ اپنے دو تین پرانے سوٹ لے آئیں۔ ان کے خیال میں تو وہ ابھی "نئے" ہی تھے۔ چمک تک باقی تھی۔ صرف ان کے دل سے اتر گئے تھے۔ پرانی پروا بھی کبھی کبھی انگڑائی لے کر بیدار ہو جاتی تھی۔ وہ ان کے تمام کپڑے ان کے کمرے میں رکھ کر آگئی۔

☆ ☆ ☆

صدف سے دوستی بھابھی کو راس آئی تھی۔ وہ اکیلی ذات اکثر ان کے گھر آجاتی۔ گھنٹوں باتیں کرتی۔ اس کی گفتگو میں تسلسل نہ تھا۔ یوں بولا کرتی جیسے کوئی مقصد نہ ہو۔ صرف وقت گزارنا ہو۔ وہ پروا پر بہت مہربان تھی۔

"اچھی بھلی خوبصورت ہو تم۔ ذرا حلیہ سجا بنا کر رکھو۔ میری طرح، بسمہ کی طرح۔ باقی تمام زندہ دل لڑکیوں کی طرح بھئی۔"

ایک دن اس نے تعجب سے کہا۔ "تم پڑھتی نہیں ہو؟ اسکول کالج جانے کا شوق نہیں ہے تم کو؟ مجھے دیکھو۔ گاؤں سے آئی ہوں۔ ضد کرکے پڑھا۔ لڑلڑ کے پڑھا اور اب ایر ہوسٹس بھی بن گئی۔ ضدی ہوں۔ اس لیے ہر شوق پورا کرتی ہوں۔ تم آخر پڑھتی کیوں نہیں ہو؟"

"وہ صدف باجی اصل میں۔ میں ضدی نہیں ہوں۔"

"اوہ۔ زندہ باد۔ ویسے کبھی کبھی ضدی ہونا تکلیف دہ ہوتا ہے اپنے لیے بھی، دوسروں کے لیے بھی۔ مگر میرا دل چاہتا ہے۔ تم از کم تعلیم کے لیے تو ضدی بن جاؤ۔"

بھابھی اس دن پروا سے خفا رہیں۔ بلکہ کئی دن ان کا موڈ خراب رہا۔ صدف کبھی کبھی ایک خوبصورت سے نوجوان کے ساتھ آتی تھی۔ وہ اسے چھوڑ کر چلا جاتا۔ نہ بھابھی اسے اندر بلاتیں نہ صدف ہی نے تعارف کرایا۔ پروا کو سوالات سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ لیکن وہ صدف کے خلوص کی قائل تھی۔ وہ بھابھی کے سلوک کی تلافی کرتی تھی؟ یا تھی ہی اس قدر محبت والی۔

بھائی بھابھی کے ساتھ ان کے میکے گئے ہوئے تھے۔ وہ اکیلی تھی پھوپھو آگئیں۔ وہ حیران ہوئی مگر خوشی کو چھپا گئی۔ اب بھابھی نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جب وہ میکے جاتیں۔ بھائی کو پابند کر جاتیں۔ صبح انہیں چھوڑنے جاتے۔ دفتر سے واپسی پر سسرال سے ان کو لے کر آتے۔ اکثر تو وہیں کھانا کھا کر آتے یا ہوٹل میں ڈنر ہوتا۔ دراصل جب سے عمر کو پروا کے بدرنگ لباس کا احساس ہوا تھا۔ بھابھی نے یہ طریقہ اپنایا تھا۔ وہ سمجھتی تھیں کہ شاید ان کے پیچھے بہن بھائی کچھ گلے شکوے کرتے ہوں گے اور لباس کا احساس بھی عمر کو اسی وجہ سے ہوا ہوگا۔ وہ پروا سے بدظن تھیں۔ انہوں نے اسے جاننے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔

رات ساڑھے گیارہ بجے کے بعد جب بھائی بھابھی ہنستے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ تو پھوپھو نے ان کا استقبال کیا۔

"شاباش بیٹے! ماشاءاللہ خاصی ترقی کرلی ہے تم نے۔ آدھی رات کو گھر آتے ہو۔ باہر جا کر بھول جاتے ہو کہ تم ایک جوان بہن کو گھر میں چھوڑ آئے ہو۔ وہ ڈرپوک لڑکی جو چوہے چھپکلی سے ڈر کر چیخیں مارا کرتی تھی۔ تن تنہا پڑی رہتی ہے۔ چاہے گھر میں ڈاکو آجائیں یا چور۔ مگر تم کو کیا، جان سے وہ جائے گی۔ تمہیں تو تمہاری خوشیاں۔"

"پھوپھو جان! دراصل آپ کو غلط اطلاع ملی ہے۔ میں۔۔۔" بھابھی نے کچھ کہنا چاہا۔

"دلہن! میں تم سے سوال کروں۔ تب جواب دینا۔ مجھے اپنے بھتیجے سے بات کرنے دو۔" پھوپھو جلال میں آگئیں۔

پروا جو پھوپھو کے آنے سے خاصی مطمئن ہو گئی تھی اور بے خبر سوئی ہوئی تھی، آوازیں سن کر باہر نکلی۔ پھوپھو کو غصے میں، بھائی کو نادم اور بھابھی کو بیخ پا دیکھ کر سہم گئی۔

"کیا بات ہے پھوپھو؟"

"آگ لگا کر پوچھتی ہو۔ کیا بات ہے؟" بھابھی گرجنے لگیں۔ "باتیں سنوا دیں مجھے۔"

پھوپھو نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔ "دلہن! تم کو تہذیب سیکھنے کی ضرورت ہے۔ آدھی رات کے سناٹے میں محلے بھر کو سنانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ تمہیں کسی نے یہ بھی نہیں بتایا کہ بزرگوں کے سامنے دھیمی آواز میں بولا جاتا ہے اور میں تم سے مخاطب ہی نہیں ہوں تو تمہیں بھی چپ رہنا چاہیے۔"

"مار لیجیے مجھے جوتے۔" بھابھی آپے سے باہر ہو کر چیخنے اور رونے لگیں۔ "اور میرے ماں باپ کو بھی گالیاں دے لیجیے۔"

"عمر! اس گھر کے آنگن نے کبھی یہ تماشا نہیں دیکھا تھا۔ یہاں تو مردوں کو بھی نیچی آواز میں بات کرنے کی عادت تھی۔ اب تمہاری کمزوری نے یہ دن دکھایا ہے کہ گھر کی بہو کی آوازیں گلیوں میں سنی جا سکتی ہیں۔"

"سن رہے ہیں آپ، دیکھ رہے ہیں۔ کیسی میری درگت۔" بھابھی نے کچھ کہنا چاہا۔

"تم چپ نہیں رہ سکتیں۔ جاؤ کمرے میں۔" عمر نے آخر ڈانٹ دیا۔ پروا نے آگے بڑھ کر بھابھی سے معذرت کرنی چاہی تو وہ بپھر گئیں، اسے دھکا دے کر گرایا اور زور سے رونے لگیں۔

اور پیر پٹختی کمرے میں چلی گئیں۔ عمر پھوپھو سے صفائی دینے اور معافی مانگنے لگا۔

"بیٹا! مجھے تمہاری بیوی سے کوئی پرخاش نہیں۔ مگر اسے تہذیب آنی چاہیے۔ میں تو تم سے ہی پوچھ رہی

تھی کہ کیا جوان بہن کو گھر میں آدھی رات تک تنہا چھوڑ کر جاتے ہوئے تمہیں احساس نہیں ہوتا۔ کیا یہ مناسب ہے؟ کوئی جھوٹ موٹ بھی کہہ دے کہ اس نے رات کو کسی غیر آدمی کو گھر میں گھستے دیکھا ہے۔ تو سب سے پہلے یقین کرنے والے تم اور تمہاری بیوی ہوں گے۔ کیوں اس کے صبر کا امتحان لیتے ہو۔ عمر! خدا کا خوف ہی کر کے یتیم بچی کا خیال کر لو۔"

عمر نادم اور شرمسار کھڑا رہا۔ پھر وہ اور پھوپھو دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ پروا بالکل خاموش رہی۔ اگلے دن بھابھی کا موڈ اور رویہ درست ہو گیا۔ انہوں نے پھوپھو سے معذرت بھی کی۔ پھوپھو دو دن کے لیے آئی تھیں مگر پورا ہفتہ رہیں۔ اس دن اچانک انہوں نے پوچھا۔

"بیٹی! کیا تم میری وجہ سے کالج نہیں جا رہیں۔ اس طرح تو تمہارا خاصا نقصان ہو گا۔"

پروا کھسیا گئی۔ آخر اسے بتانا پڑا کہ بھائی کی اتنی آمدنی نہیں کہ اسے مزید تعلیم دلا سکیں۔ کہہ کر مزید شرمندہ ہوئی۔ پھوپھو کو اس کے شوق علم کا اندازہ تھا۔ ماں باپ کے مرنے کے بعد جب وہ ان کے ہاں گئی تھی۔ پھر داخلے کی ہی وجہ سے جلدی سے آ گئی تھی اور اب... اب تک وہیں تھی۔

انہوں نے اچانک اعلان کیا کہ وہ پروا کو اپنے ساتھ لے جا رہی ہیں۔ عمر نے بھی تائید کی۔ وہ تیاری کرنے لگی۔ کپڑے نکال کر چھانٹنے لگی۔ مگر کوئی کپڑا بھی اب نیا نہیں رہ گیا تھا۔ پھوپھو اس کے تامل اور تاسف کو دیکھ کر بولیں۔

"ارے چھوڑو کپڑوں کو۔ وہاں بازار بھرے پڑے ہیں۔ میں یہ بے رنگ کپڑے لے جانے نہیں دوں گی۔"

پروا شرم سے زمین میں گڑ گئی۔ سر نہ اٹھایا گیا۔ جاتے ہوئے عمر نے حیرت سے پوچھا۔ "بس! تمہارا سامان کہاں ہے؟"

"گھر میں پڑے ہیں وہ کپڑے، دیکھ لینا۔ تمہاری عزت کے خیال سے چھوڑے جا رہی ہوں۔ بیٹا! لگتا ہے کہ واقعی بھول گئے ہو کہ تمہاری ایک بہن ہے، جو ضروریات زندگی کے لیے تمہاری محتاج ہے۔"

پھر سرد آہ بھر کر بولیں۔

"کیا زمانہ تھا۔ ماں باپ کے زمانے میں اس گھر کے نوکر بھی اس سے بہتر پہنتے تھے اور اب۔ ماں باپ کے ساتھ رشتے، واسطے سب مر گئے۔"

"میں نے جو دو ہزار روپے دیے تھے اس دن۔" عمر نے شرمندہ ہو کر کہا پھر بیوی کی طرف دیکھا، وہ نظریں چرا گئی۔

"کیا تم نے کپڑے نہیں لیے تھے؟"

پروا کو جواب دینا لازم ہو گیا۔

"نہیں بھائی! آپ نے تو مجھے نہیں دیے۔ شاید بھول گئے ہوں گے۔"

عمر نے بسمہ کی طرف دیکھا۔ وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگیں۔ عمر نے سختی سے کہا۔

"چپ رہو۔ تمہیں نہ میری عزت کا خیال ہے نہ اپنی عاقبت کا۔"

"بیٹا جی۔ پروا تمہاری ذمہ داری ہے۔ تمہاری بیوی کی نہیں۔" پھوپھو نے نرمی سے کہا۔

عمر سر جھکائے کھڑا رہا۔ پروا کو دلی تاسف ہوا۔ چلتے چلتے بدمزگی ہو گئی۔ وہ چاہتی تھی۔ خوش دلی سے رخصت ہوتی۔ اب بھابھی کا موڈ کب تک خراب رہے اور بھائی کی شامت۔

پھوپھو باہر نکل رہی تھیں۔ وہ ذرا کی ذرا رکی کہ بھابھی سے معذرت کر لے۔ اسی وقت بھابھی کی آواز آئی۔

"مر گئیں نا بھلا۔ یہ ساس نندیں کبھی تیر مارنے سے نہیں چوکتیں۔ اچھے بھلے کپڑے بھرے ہوئے ہیں مگر صرف مجھے ذلیل کرنا مقصود تھا۔ اب بڑی عزت ہو گی۔ دوسرے کے گھر میں لوگوں کی اترن پہنیں گی۔ ہونہہ۔ بڑی دولت پھٹی پڑ رہی ہے جیسے۔ دو ہزار میں اچھا بھلا کین کا صوفہ سیٹ مل رہا تھا۔ دل مار کر رہ گئی۔ میرے لیے تو ہمیشہ جیب خالی ہوتی ہے۔ بہن کے لیے جھٹ سے دو ہزار نکال دیے۔ میں نے بھی صوفے کا

آرڈر دے دیا۔ بس۔"

بھابھی جلبلا جلبلا کر عمر کو سنا رہی تھیں۔

پروا کے دل پر تیر سا لگا۔ وہ آنسو روکتی ہوئی جلدی سے دہلیز پار کر گئی۔

عمر کو جانے کیا ہوا، پروا کے کمرے سے سارے کپڑے نکال لایا اور صحن میں ڈال کر بسمہ سے کہا۔

"یہ؟ یہ اچھے خاصے کپڑے ہیں؟ میری بہن کے لیے تو ہمیشہ تمہارا دل تنگ رہتا ہے۔ چھچھوری عورت۔ کاش کبھی اپنے خرچ کا حساب بھی کر لیا ہوتا۔" عمر پر غصے کا بھوت سوار ہو گیا۔ پروا کے کپڑوں کو دیا سلائی دکھا کر وہ بسمہ کے کپڑوں کو بھی جلانے کا اعلان کر کے اپنے کمرے میں جانے لگا۔ بسمہ نے ڈر کر کمرا لاک کر لیا۔ کبھی کبھی عمر پرانے وقتوں کا عمر بن جایا کرتا تھا۔ جب ماں باپ زندہ تھے اور اس کے تمام شوق پورے ہوا کرتے تھے۔ تب وہ کتنا غصہ ور ہوتا تھا۔ ذرا سی برداشت نہ تھی اس میں۔ مگر اب حالات نے اسے پیس کر رکھ دیا تھا اور قوت برداشت میں اضافہ بھی ہوا تھا۔ جیسے پروا نے حالات سے سمجھوتا کر لیا تھا۔ اس کے ناز نخرے، تنگ مزاجی سب ہوا کے جھونکوں کے ساتھ خلا میں تحلیل ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

پھوپھو نے گھر جاتے ہی با آواز بلند سب کو سنا دیا کہ راستے میں پروا کا بکس کوئی مسافر اتار کر لے گیا۔ بے چاری کا سارا سامان تھا اس میں۔ جوتے چپل، چوڑی، کپڑے اور چھوٹا موٹا زیور بھی۔"

سب گھر والے اس "معدوم" مسافر کو برا بھلا کہتے رہے۔ اور پروا کو تسلی دیتے رہے کہ دیکھ لینا اس بے ایمان کو وہ سامان ہضم نہ ہو گا۔ اس کے پاس سے چوری نہ ہوا تو اس کی وجہ سے اسے کسی نہ کسی مصیبت کا سامنا ضرور ہو گا اور جنید مستقل اندازے لگاتا رہا متوقع مصیبت کے بارے میں۔

"ارے چھوڑ بچے، اب بس کر۔ ہماری بلا سے اسے کوئی مصیبت آئے۔ ہمیں تو اپنی بچی کی فکر ہے۔" پھوپھو نے جنید کو روکا۔ پروا کو ہنسی آ رہی تھی۔ پھوپھو کا بہانہ بے حد کمزور تھا۔ لیکن کام آ گیا۔

"پروا! آؤ۔ کھانا کھاؤ۔" تنویر بھابھی نے پکارا۔

"بھابھی جان شاعرہ ہو گئی ہیں۔ کیسے قافیے ملاتی ہیں۔ پروا آؤ کھانا کھاؤ۔" عبید نے کہا۔

"پچھوا نہ آتا۔ کہیں گرمی نہ ہو جائے۔ دونوں کے ٹکراؤ سے خدا جانے کیا ہو۔" جنید نے شریر لہجے میں کہا۔

پچھوا ان کی ملازمہ تھی۔ ہر وقت کھی کھی کرتی رہتی۔

"پروا۔ پچھوا۔ امی جان۔ کہیں ان کی ایک جگہ موجودگی سے ستاروں کی چال نہ بدل جائے۔ پتا نہیں زمین پر اس کے کیا اثرات ہوں۔ کہیں جنگ نہ ہو جائے۔"

جنید سوچتے ہوئے بولا۔ بڑا سنجیدہ لگ رہا تھا۔

تنویر بھابھی نے پروا کو کپڑے دے کر کہا۔

"فٹافٹ کاٹ لو۔ پھر میں شلوار اور تم قمیص سی لینا۔ کل پھر اور کپڑے بازار جا کر لے آئیں گے۔ تم اپنی پسند سے لے لینا۔"

پروا کو ندامت ہو رہی تھی۔ پھوپھو نے اسے اپنے گھر لا کر کس امتحان میں ڈال دیا تھا۔ تنویر نے جو کہا تھا۔ وہی کر کے دکھایا۔

اگلے دن ہی اس کی پسند سے کپڑے چپل وغیرہ خریدوائے۔ کئی دن تک دونوں سلائی میں مصروف رہیں۔ جب تک اس کی ضرورت کی ہر چیز مہیا نہ ہو گئی۔ تنویر بھابھی کو چین نہ آیا۔ وہ بڑی بہن کی طرح اس کا ذمے داری سے خیال رکھتی تھیں اور اتنی بے تکلفی سے کہ کسی غیریت کا احساس نہ ہوتا۔ ہر وقت ہنسی مذاق میں مصروف۔ کام بھی کر رہی ہیں۔ جنید، عبید سے مذاق ہو رہا ہے اور پروا کے ساتھ مل کر انہیں تنگ بھی کر رہی تھیں۔ واقعی تنویر بھابھی اللہ کا انعام تھیں اس گھر کے لیے۔ شاید پھوپھو کی نیکیوں کا صلہ۔

عبید نے اسے فارم لا کر دیے۔

"چلیے جی۔ اسے فل کیجیے۔"

"کیا۔ کیا یہ؟" وہ کچھ بھونچکا سی ہو گئی۔ دیکھ رہی تھی کالج داخلے کے فارم ہیں۔

"بس۔ کچھ ہے۔ آپ کو اگلے ہفتے سے کالج جوائن کرنا ہے۔ آیا کھوپڑی میں؟"

"مگر۔ میں نے بھائی سے اجازت تو لی نہیں ہے۔"

وہ ڈری کہ بھائی کہیں برا نہ مانیں۔

"تم پڑھنا چاہتی ہو یا نہیں؟"

"چاہتی ہوں مگر۔ بھائی کی مرضی کے خلاف نہیں۔"

داخلہ فارم اس کے ہاتھ میں لرزنے لگا۔ بمشکل آنسو روک رہی تھی۔ کیسی کیسی خواہشیں کہاں کہاں پوری ہوتی ہیں۔

"ڈرو نہیں پروا۔" پھوپھو نے اسے لپٹا لیا۔ محبت سے مخاطب ہوئیں۔

"میں نے عمر سے کہہ دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ اس کی تعلیم کا خرچ تم کو ہی ادا کرنا ہے کیونکہ یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔ عمر نے اقرار کیا تھا وہ بہت شرمندہ تھا۔"

"امی جان! آپ نے خوب لتّے لیے ہوں گے عمر بھائی کے۔"

عبید نے کہا پھر مڑ کر بھابھی سے پوچھا۔

"میں نے "لتّے لیے" صحیح جگہ استعمال کیا ہے نا؟ کہیں اس سے مراد کپڑے چھیننا تو نہیں لتّے کپڑوں کو کہتے ہیں نا۔"

عبید کو محاورے استعمال کرنے کا شوق تھا۔ اکثر وہ غلط بول دیتا تھا پھر سب مذاق اڑاتے۔

"لتّے لینا۔ اگر کپڑوں کو کہتے ہیں۔ تو وہ تو میں نے لیے ہیں۔" پروا نے کہا۔

پروا خوش تھی۔ گھر میں محبت اور خلوص کی فضا تھی۔ کوئی تکلف نہ تھا۔ پھر پھوپھو کی شفقتوں کا سائبان اس پر سایہ فگن تھا۔ پھوپھا جان بھی اس کو بہت چاہتے اور خیال کرتے تھے۔

قصبہ ترقی پذیر تھا۔ ماحول میں سادگی تھی۔ دیہاتی رسم و رواج تھے۔ کالج میں لڑکیاں سادہ لباس میں ہوتیں۔ لیکن ان پر دیہات کی چھاپ نہ تھی۔ تعلیم عام ہو رہی تھی۔ شہر سے آنے والے اپنے ساتھ جو فیشن لاتے۔ وہ فوراً مقبول ہو جاتا۔ اس کی کئی لڑکیوں سے دوستی ہو گئی۔ گھر میں بھابھی سے دوستی تھی۔

ناظمہ بڑی بہن کے پاس گئی ہوئی تھی۔ وہاں سے آئی تو پروا کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ دونوں ساتھ کالج جاتی تھیں۔ اکثر جنید انہیں چھوڑ کر آتا۔ واپسی میں کئی لڑکیاں ساتھ ہوتیں۔ گپ شپ کرتے ہوئے پیدل ہی آجاتی تھیں۔ وہ جو اپنے گھر سے تہی داماں آئی تھی۔ خالی ہاتھ۔ غموں کا بوجھ لیے۔ اب اس کے پاس بہترین لباس بھی تھا۔ اور ہر رنگ ڈیزائن کے سینڈل چپلیں۔ دیگر ضروریات بھی۔ اگر دنیا میں دولت واصل کا معیار یہی ہے کہ اس کے پاس ہر چیز موجود ہو۔ ہر خواہش پوری ہوتی ہو۔ تو بلاشبہ اس کا شمار دولت مندوں میں ہوتا۔ ضروریات زندگی۔ ت زندگی بھی اور محبتیں بھی۔ چاہتیں بھی۔ کیا نہ تھا اس کے پاس۔

احساس کمتری کا شکار، دکھی دل اور زخمی جذبے کے ساتھ جب وہ پھوپھو کے ساتھ آئی تھی۔ تو اس کی گردن اور آنکھیں جھکی ہی رہتی تھیں۔ مگر اب وہ سر اٹھا کر چلنا سیکھ گئی تھی۔ خود اعتمادی اور پھوپھو کے گھر والوں پر یقین نے اسے افضل و نمایاں کر دیا تھا۔ کالج میں وہ ہر جگہ مقبول تھی۔ مباحثے ہوں یا ڈرامے گیمز ہوں یا تقریری مقابلے۔ گھر میں بھابھی اس سے مشورے لیتیں۔ ناظمہ پر اس کا بڑا رعب تھا۔ صرف جنید عبید اس پر رعب جمانے سے نہ چوکتے۔

وہ اب پرانے زمانے کی پروا تو نہ تھی۔ مگر ہاں۔ اب بھی کبھی کبھی مزے میں آتی تو کھل کر ہنستی۔

اب اماں ابا تو تھے نہیں۔ جو اس کے ناز اٹھاتے۔ مگر پھوپھو مزاج داں تھیں۔ باقی سب بھی قدردان تھے۔ اب ہنسی کی بات پر ہنستی تھی اور کوئی بات بری لگے تو منہ پھلا کر بیٹھ جاتی۔

"سنا ہے کوئی لقا کبوتری اڑ کر ادھر آئی ہے۔" جنید

کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھتا۔ وہ منہ پھیر لیتی۔
"بھیا! آج تو گرلز کالج سے چیخوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔"
"میں؟ کیسی چیخیں بھئی۔" بھابھی گھبرا کر ادھر ادھر دیکھتیں۔
"شہر میں تو یہ افواہ اڑ رہی ہے کہ آج پرنسپل نے لڑکیوں کی خوب پٹائی کی ہے اور کئی لڑکیوں کے تو مارے تھپڑوں کے منہ سجا دیے ہیں۔ بے چاری۔" عبید تو اس کی طرف کن اکھیوں سے بھی نہ دیکھتا۔ وہ تلملا کر پھوپھو کی طرف دوڑتی۔ پیر پٹخ کر کہتی۔
"منع کریں پھوپھو، عبید بھائی کو۔"
"امی جان! میں نے کیا کیا ہے۔ شہر میں افواہ تھی۔ گھر آ کر دیکھا تو واقعی۔"
"پھوپھو!" وہ روہانسی ہو جاتی۔
"اچھا تو پھر منہ کیسے سوجا تمہارا؟ ہم افواہوں کا یقین نہیں کرتے۔ آنکھوں دیکھی پر بھروسا کرتے ہیں البتہ۔ بھابھی! میں نے صحیح کہا ہے نا۔ البتہ غلط جگہ تو نہیں۔"
"کبھی کبھی آنکھیں بھی دھوکا کھا جاتی ہیں۔" وہ بڑی عقلمندی سے کہتی۔

☼ ☼ ☼

وقت دھیمی چال سے چل رہا تھا۔ وہ شوق سے تعلیمی مدارج طے کر رہی تھی۔ کبھی کبھی عمر کا خط آ جاتا۔ اس نے چھٹیوں میں آ کر مل جانے کا وعدہ کیا تھا۔ اور اسے آنے سے منع کر دیا تھا۔ پھر اس دھیمی چال کے دریا نے اپنا دھارا بدلا۔ پھوپھو کے بڑے بیٹے سعودی عرب سے۔۔۔ گھر میں رونق ہو گئی۔ ہنگامے جاگ گئے۔ بھابھی ہنس مکھ تھیں مگر زوہیب کے آنے سے ان کے لبوں پر ہر لمحہ ایک دلکش مسکراہٹ پھول کھلانے لگی۔ وہ مزید خوش مزاج ہو گئیں۔ زوہیب اپنی بہنوں کی طرح پروا کے لیے بھی کئی تحائف لے کر آئے تھے اور انہوں نے پروا کے اپنے گھر بے پناہ خوشی کا اظہار بھی کیا۔

عمر دو بار آ کر بہن سے مل کر گیا۔ پھر زوہیب سے ملنے بھی آیا۔ پروا کو خوش دیکھ کر عمر کو بہت اطمینان تھا۔ ناظمہ کا ایک اچھا رشتہ آیا ہوا تھا۔ پھوپھو چاہتی تھیں زوہیب کی موجودگی میں ہی ناظمہ کی شادی ہو جائے۔ اس کے سسرال والے بھی جلدی کر رہے تھے۔ چنانچہ تاریخ طے ہو گئی۔ یک لخت گھر میں افراتفری اور شور ہنگامہ شروع ہو گیا۔ نائلہ اور اسماء اپنی سسرال سے آ گئیں۔ بچوں کا شور الگ تھا۔ اور اس دن تو مسرت عروج پر پہنچ گئی جب امریکہ سے پھوپھو کا منجھلا بیٹا جنیب آ گیا۔ قہقہوں اور لطیفوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ۔ جنید، عبید کیا کم تھے کہ جنیب بھی ان کی ٹولی میں شامل ہو گیا۔ پھوپھو خلاف معمول بے حد مسرور تھیں اور کھلی پڑ رہی تھیں۔ بہنیں الگ خوشی کے اظہار میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی فکر میں تھیں۔ گھر کافی بڑا تھا۔ مگر لوگ بھی بہت تھے۔ خاصا شور تھا۔
جنیب نے کئی بار کہا۔
"یہ اتنے بہت سے لوگ کہاں سے آ گئے۔" وہ کئی سال بعد آیا تھا کئی بچے تو اس نے دیکھے بھی نہ تھے۔
"بھئی اب تو رات ہو گئی ہے۔ سب اپنے اپنے گھر کو جائیں۔" آخر کار رات کو اس نے دو ٹوک بات کی۔
"ہائیں۔ یہاں غیر کون ہے جو اپنے گھر جائے۔"
"بھئی! رات کو تو چڑیاں بھی اپنے اپنے گھونسلوں میں بسیرا لیتی ہیں مگر انسان کے شوق کا تو۔ اب اگر کوئی پرائیویٹ بات کرنا چاہے۔ تو سب کے سامنے کیسے کرے۔"
پھوپھو ہنس دیں۔ "تو سب گھر والے ہی تو ہیں۔ کسے کہہ رہے ہو تم۔"
"مجھے تو نئے نئے چہرے نظر آ رہے ہیں۔ آخر گھر والوں کو آرام کا موقع تو ملنا چاہیے۔ شادی کا یہ مطلب تو نہیں کہ دوسروں کو بے آرام کیا جائے۔"
جنیب کی نظریں واضح طور پر پروا کی آنکھوں سے ٹکرائیں۔ وہ سناٹے میں آ گئی۔ گویا اس کا مخاطب وہ

تھی۔ واقعی ان بہن بھائیوں کے درمیان وہ غیر نہ سہی۔ مگر اجنبی تو تھی۔ ان سے دور، رشتے دار، بس رشتے دار۔ اسے اپنی توہین کا احساس ہوا اور جیسے اتنے دن میں پہلی بار تنہائی کا خوف بھی۔ وہ غیر محسوس طریقے پر کانپی۔ حالانکہ اتنی گرمی نہ تھی کہ وہ سردی کا تصور کر کے کپکپاتی۔ وہ اٹھنے لگی تو ناظمہ نے پکڑ لیا۔
"کہاں جا رہی ہو۔ بیٹھو نا۔ اتنا تو مزا آ رہا ہے۔"
ناظمہ کو واقعی مزا آ رہا تھا۔ وہ پروا کی بے لطفی کا احساس نہ کر سکی۔
"بس۔ اب میں جاتی ہوں۔" اس نے چپکے سے کہا۔
"کہیں نہیں جاؤ گی تم۔ بس بیٹھی رہو۔" وہ پیار سے ڈانٹ کر بولی۔
جنیب کی نگاہوں کی غیریت اور بیزاری کی کیفیت ناظمہ جان نہ سکی اور وہ جو جان گئی تھی۔ انہیں پرائیویٹ بات کرنے کا موقع دینے کے لیے ناظمہ کا ہاتھ جھٹک کر باہر آ گئی۔ ناظمہ حیران رہ گئی۔ وہ باہر نکل رہی تھی اور عبید بڑی سی ڈش میں کٹے ہوئے خربوزے لیے چلا آ رہا تھا۔
"میٹھے خربوزے۔ آ جائیں مہربان۔ قدردان۔"
اس نے لہک کر پروا کو مخاطب کیا۔ لیکن "وہ دل نہیں چاہ رہا" کا بہانہ کر کے اپنے کمرے میں آ گئی۔ یہ چھوٹا سا کمرہ تھا جہاں فالتو سامان پڑا رہتا تھا۔ اب اس کے کہنے پر پھوپھو نے اس کے لیے خالی کروا کے صاف کروایا تھا۔ تاکہ وہ اکیلے میں دل جمعی سے پڑھ سکے۔ جب سے گھر میں مہمانداری ہوئی تھی۔ وہ رات کو یہیں سو جاتی تھی۔ پہلے پھوپھو کے کمرے میں اس کا پلنگ ہوتا تھا۔ آج کل وہاں اسماء اور ان کی بیٹی رہتی تھی۔
آج کی رات رت جگا لے کر آئی تھی۔ جنیب کی آمد کی خوشی میں ان کے بہن بھائی جاگ رہے تھے۔ وہاں خوشیوں کی بارات اتری ہوئی تھی۔ قہقہوں کی جھنجھناہٹ تھی۔ اور اس چھوٹے سے کمرے میں اس کے آنسوؤں سے چراغاں ہو رہا تھا۔ یہ کیسے ممکن ہے

کہ جنیب نے اسے پہچانا نہ ہو اور یہ بھی ممکن نہیں کہ پہچاننے کے بعد بیزاری کا اعلان کریں۔ اور اگر یہی ہوا ہے تو پھر؟ جنیب کی فطرت میں کہیں کوئی کمی رہ گئی ہے۔ پھوپھو کی کوئی اولاد اس قدر بے مہر نہیں۔ بالکل اجنبی اور غیروں سے بھی وہ یہ سلوک نہیں کرتے۔
پہلی بار اپنی ذات قطعاً "غیر اہم" لگی۔ اجنبی۔ اس گھر کے لیے غیر ضروری فضول۔ خود پر رحم کھانے کی اس کی عادت نہ تھی۔ لیکن اپنے وجود پر افسوس ضرور ہوا۔
حسب معمول وہ صبح سویرے اٹھی۔ نماز پڑھ کر کچن میں گئی۔ جہاں پچھوا کی ماں اس کے لیے ناشتہ بنا رہی تھی۔ وہ اپنے لیے چائے بنانے لگی۔ یہ روز کا معمول تھا۔ پچھوا کی ماں اس کے سامنے ناشتا رکھ کر پچھوا کو جگانے چلی گئی۔ رات کی الناکی کے مقابلے میں صبح روشن اور خوشگوار تھی۔ ہلکی ہلکی ہوا اور پرندوں کی نغمگیں چہچہاہٹ۔ فضا میں موتیے کے پھول مہک رہے تھے۔ ابھی اس نے چائے میں چمچہ چلا کر نیچے رکھا تھا کہ قریب سے جنیب کی آواز سن کر چونک گئی۔ وہ کسی کو جواب دے رہا تھا۔
"ارے بوا۔ ہم ٹھہرے مزدور۔ چاہے جب سوئیں سویرے جاگنا ضروری۔ آخر کام پر جانا ہوتا ہے۔ خود ہی ناشتا بنا کر زہر مار کرنا پڑتا ہے۔ پھر۔ تین بسیں بدل کر۔"
بالوں سے پانی ٹپکتا۔ تولیے سے سر رگڑتا وہ اندر آتے آتے دروازے میں ہی ٹھٹھک گیا۔ فقرہ ادھورا چھوڑ کر اسے بغور دیکھتے ہوئے پھر اندر آیا۔
"ہائیں؟" وہ انگلی اس کی طرف اٹھا کر بولا۔
"تم؟ تم ہو؟ تمہیں نیند نہیں آئی؟ شادی ناظمہ کی ہو رہی ہے اور رت جگا تم کر رہی ہو۔ کیا تمہیں کوئی کام نہیں؟ کہ صبح سویرے اٹھ کر آ گئیں۔ یا اپنے گھر میں کھانے کو نہیں ملتا۔"
وہ تو اپنی رو میں بولتا جا رہا تھا۔ اور وہ شرم سے زمین میں گڑی جا رہی تھی۔ چائے کی بھری پیالی، مہکتا

برا اٹھا۔ وہیں چھوڑ کر وہ دوڑتی ہوئی باہر نکلی اور کمرے میں گھس کر رونے لگی۔ ایسی ذلت تو کبھی کسی نے نہیں کی تھی۔ یہ اتنا بے مروت۔ نہیں بے مروت نہیں سنگ دل انسان ہے۔ اسے دوسروں کے جذبات کا ذرا سا احساس نہیں۔

دھوپ سارے صحن میں پھیل گئی تھی مگر یہ روشنی چبھتی ہوئی سی تھی۔ جیسے اس کو گھور رہی ہو۔ ہیں؟ تمہیں اپنے گھر میں کھانے کو نہیں ملتا؟ جنید، عبید تو صبح چار بجے تک جاگے تھے۔ اب بے خبر پڑے سو رہے تھے۔ وہ پھپھو کی ماں کو لے کر کالج چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

جنید تو اس کی بات سن کر حق دق رہ گیا۔ حیرت کی زیادتی سے اس کا منہ بھی کھلا کا کھلا رہ گیا۔ کتنی عجیب بات سنی تھی اس نے۔ وہ اپنی جگہ ساکت کھڑا رہ گیا۔ پروا جھینپ گئی۔

"بس۔ اب دل نہیں لگتا۔ پڑھائی کا کیا ہے۔ وہاں بھی پرائیویٹ امتحان دے سکتی ہوں۔" منمنا کر رہ گئی۔

"پوچھ سکتا ہوں کہ یہ اچانک تمہیں کیا سوجھی؟"

"نہیں تو۔ اچانک تو نہیں۔" وہ ہنسی میں ٹالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ "کافی دن سے سوچ رہی تھی۔"

"اور اس کے اعلان کے لیے تم نے ناظمہ کی شادی کا زمانہ منتخب کیا۔ سب کی خوشیوں پر اوس پڑ جائے تمہاری بلا سے۔" جنید کی حیرت اب تاسف اور مایوسی میں بدل گئی۔

"اوہو۔ بھئی کچھ نہیں ہوتا۔ اور ابھی فوراً تو میں نہیں جا رہی۔ بھائی آئیں گے نا شادی میں۔ ان کے ساتھ۔"

جنید نے منہ بنا کر سر ہلایا۔ سر کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔ الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر گردن ہلاتا ناظمہ کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ جہاں آج کل سب کا جمگھٹا رہتا تھا۔ جنیب کئی دن سے لاہور گیا ہوا تھا۔ اس لیے کچھ ہنگامہ کم تھا اور پروا بھی سب کے ساتھ سلامی کروا لیتی تھی۔ رات کو عبید نے قدرے جھلاہٹ کے انداز میں کہا۔

"امی جی۔ آپ نے اپنی بھتیجی کی عقل مندی ملاحظہ کی؟ یا سنی؟"

پھپھو کو متوجہ پا کر انگلی اٹھا کر ناگواری سے بولا۔

"صبح کو ناشتہ کیے بغیر جاتی ہیں محترمہ۔ کالج سے آ کر بھی کچھ نہیں کھاتیں۔ رات کو سب کے اصرار پر ذرا سا چکھ لیتی ہیں۔ مرن برت تو یہ ہو گا نہیں۔ پوچھیں۔ پوچھیں۔"

پھپھو ماتھے پر ہاتھ مار کر اس کے قریب آئیں۔

"ارے۔ میں کمبخت اتنی بے خبر ہو گئی۔ اور کسی نے بتایا تک نہیں کہ میری بچی بھوکی کالج جاتی ہے۔ یہ بوا اور پھپھو کی ماں آخر کس مرض کی دوا ہیں۔ ناشتہ بنا کر نہیں دے سکتیں اسے؟"

"کھانا۔ ناشتہ۔ یہ تو ان کی قوت برداشت کا معاملہ ہے۔ مگر امی! اب تو یہ یہاں سے بیزار ہو گئی ہیں۔ جانا چاہتی ہیں اپنے بھائی کے پاس۔" جنید کا آزردہ لہجہ اس کے دکھ کا غماز تھا۔

"پروا۔ پروا یہ کیا۔ ہائیں۔"

بھابھی، نائلہ، ناظمہ اس کی طرف بڑھیں اور اس سے اس کی وجہ پوچھنے لگیں۔ وہ پشیمان سی بیٹھی تھی۔ توبہ کیسے موقع پر اس نے اظہار کی حماقت کی تھی۔

"میں ادھر دھندوں میں گرفتار۔ ہر شخص میری بوٹیاں نوچنے آ جاتا ہے۔ اوسان ہی نہیں کہ دیکھتی کیا کھا رہی ہو کیا نہیں۔ اور یہ جانے کی کیا تک ہے؟ جنید نے ایسے ہی اڑائی ہے؟"

وہ گردن نیچی کیے دوپٹے پر بیل ٹانکتی رہی۔

"ہوں۔ کسی نے کچھ کہہ دیا ہے۔" بھابھی معاملے کی تہہ تک پہنچ گئیں۔

"معاف کر دو نا۔ پروا پلیز۔" ناظمہ اس سے لپٹ گئی۔ (آہ یہ چاہتیں) "نہیں جاؤ گی نا؟" وہ پر امید نظروں سے پروا کو دیکھنے لگی۔

"اور ابھی تو بی اے کلیئر نہیں ہوا۔ محترمہ نہ ادھر نہ ادھر۔ معلق ہیں ہوا میں۔"

"اور ویسے ہمیں کوئی حق بھی نہیں کہ تمہیں روکیں۔" جنید اور عبید دونوں بے حد خفا تھے۔

وہ ہنسنے کی کوشش کر رہی تھی اور آنکھیں بھیگی جا رہی تھیں۔ "خوامخواہ جنید بھائی نے بات کا بتنگڑ بنا دیا میں نے تو۔ بس ایسے ہی۔"

"اچھا؟ ایسے ہی؟ ذرا آنسو تو پونچھو۔" جنید پھر خفگی سے بولا۔

اف۔ یہ وقت بے وقت بھر آنے والے آنسو۔ دوپٹے سے منہ رگڑنے لگی۔

"ہاں جی۔ ہم ہوتے کون ہیں۔ خوامخواہ۔ ہر شخص اپنی مرضی کا مالک ہوتا ہے۔"

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟ کانفرنس؟ جس طرح میں چھوڑ کر گیا تھا۔ اسی طرح۔ ہائیں مگر سب منہ پھلائے کیوں بیٹھے ہیں۔"

جنیب بولتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ پروا نے سائیڈ کے دروازے سے کھسکنے میں عافیت جانی کہ اب اس کی ذات کی تحقیر کرنے والا آ گیا تھا۔

"کچھ نہیں۔ ہاں تم کہو۔ سب سے مل کر آئے ہو نا۔ عمر سے ملے؟"

"اووع۔" سر پر ہاتھ رکھ کر جنیب دانتوں میں زبان دبا کر شرمندہ ہو گیا۔ "بھول گیا۔"

"یہ تم لوگوں کی یادداشت۔ اچھا وہ شادی میں آئے گا۔ اس کی بیوی بھی ہو گی۔ اسے کوئی تحفہ ضرور دینا۔ آخر کو بہو ہے۔"

"بھائی جان! میری سب چیزیں لے آئے؟ بانو بازار سے وہ بالوں کی چٹیا ـــ ڈارک براؤن۔" ناظمہ جنیب کی جانب متوجہ ہو گئی۔

"امی! آپ پوچھیں تو سہی۔ آخر ایسی کیا بات ہوئی کہ اچانک ہی دل گھبرا گیا اور جانے کا ارادہ کر لیا۔" جنید کچھ الجھ کر پھپھو سے مخاطب ہوا۔

"اور ابھی تو اگزیم بھی نہیں ہوئے۔ کیا یہ سال ضائع ہو گا۔ پھر تو بڑھاپے تک ایم اے کر سکیں گی محترمہ!" عبید بھی بے چین تھا۔ "آخر اس تلون مزاجی کی کوئی وجہ تو ہو گی۔"

"نہیں کسی نے کچھ کہہ دیا ہے۔ میں سمجھ گئی ہوں۔ وہ بتائے گی نہیں۔" بھابھی نے سر ہلایا۔

"یہ کس کا ذکر ہے؟" جنیب بیگ سے ناظمہ کی چیزیں نکال رہا تھا چونک گیا۔

"پروا کا۔ ایک دم جانے کا پروگرام بنا لیا۔ میں تو حیران ہوں اور پھر کئی دن سے نہ کچھ کھاتی پیتی ہے۔ نہ ہنستی بولتی ہے۔ کیوں امی؟"

"ہاں۔ رنجیدہ تو ہے۔ ادھر کئی دن سے ڈھولکی کے پروگرام سے بھی الگ تھلگ رہتی ہے۔ سر درد کا بہانا کر کے۔"

"یہ کون محترمہ ہیں، جن کا اس شد و مد سے ذکر ہو رہا ہے۔" جنیب کی حیرانی دور ہی نہیں ہوئی۔

"پروا کا۔ کہاں گئی۔ ابھی یہیں تو تھی۔" پھپھو نے گردن گھما کر دیکھا۔

وہ اپنا بستر جھاڑ رہی تھی۔ کمرہ صاف کر کے کتابیں جما دی تھیں۔ چادر جھاڑ کر بچھا رہی تھی تب جنید آیا۔

"چلیے محترمہ۔ امی کے پاس پیشی ہے آپ کی۔"

"کیا ہے؟" وہ کھسیا کر ہنسی۔

"پیشی۔ بنام بھائی جان مقدمہ دفعہ فلاں فلاں۔ مگر ابھی تو نقاب کشائی ہوئی ہے۔"

وہ یک لخت سنجیدہ ہو گئی۔ منہ پھیر کر بیٹھ گئی اور چادر کے دھاگے نوچنے لگی۔ جنید سمجھ گیا۔ جنیب سے خفا ہے۔

"دیکھو پروا! بھائی جان پردیسی ہیں۔ برسوں کے بعد آئے ہیں اور تمہیں تو مدت ہوئی جب دیکھا تھا۔ اب ان کے انجان بننے پر سزا دو گی؟ وہاں کی تہذیب کے مطابق تو ان کا رویہ۔ پتا نہیں تم نے کیا دیکھا اور محسوس کیا۔ میں واقف نہیں ہوں۔ لیکن کیا معافی سے کام نہیں چلے گا؟" اس کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔

"دراصل میں۔ سخت نیند آ رہی ہے۔ تم جاؤ تو میں لیٹوں۔"

"میری موجودگی میں لیٹنے پر پابندی تو نہیں۔ کم از کم میں نے نہیں لگائی۔ تم خود ہی خول میں بند ہونا چاہو تو کیا کر سکتے ہیں۔" اس نے دانت چبائے۔ "ویسے